Cat [illegible]

# آخری تمنا



مشتاق ہمدانی
بوہری کدل سرینگر

"ہم کہہ رہا ہیکہ یہ زمانے میں دم ہم ہیں
ہم ہی زمانہ خود ہے زمانے ہم سے ہیں"







ملنے کا پتہ

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز
فتح کدل سرینگر

"دوستوں کے اصرار پر اپنے والد جنّت نصیب
مرحوم سید ایوب شاہ ہمدانی کے نام"

اس ناول میں شائع ہونے والے واقعات کردار
اور مقام سب فرضی ہیں۔ کسی سے مطابقت
اتفاقیہ ہے جس کے لئے مصنف ذمہ دار نہیں۔

# تعارف

مشتاق ہمدانی "آخری تمنا" لے کر میدان ادب میں وارد ہو رہے ہیں۔ اس نو وارد نوجوان قلم کار کا مشاہدہ اس صفحہ ہستی میں وسیع ہے اور اس کی کردار نگاری عمدہ ہے۔

"آخری تمنا" ایک ایسا ناول ہے جس کی فنی کوتاہیوں کو اس نو وارد قلم کار کے سن کو ملحوظ خاطر رکھ کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

ہر نئے فنکار اور قلم کار سے ابتداء میں ہی کسی بڑے ادب پارے کی توقع کرنا بعید از انصاف ہے۔

مجھے امید ہے کہ زندگی کے نئے تجربات کے ساتھ ساتھ مشتاق ہمدانی کے فن میں نکھار آئے گا۔ اس کی زبان میٹھی اور عام فہم ہے۔ اس کی طرز تحریر پیاری ہے اور اس نوجوان قلم کار کے عزائم اس کے درخشندہ مستقبل کا ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ"

میں مجاز مرحوم کے اس شعر کو مشتاق محمد [illegible]

نذر کرتا ہوں ؎

"تیرا شباب امانت ہے ساری دنیا کی
تو خارزارِ جہاں میں گلاب پیدا کر"

۸،۱۰ اپریل ۱۹۷۳ء


**شاہد بڈگامی**

حسین منزل بڈگام کشمیر

# دیباچہ

میں نہ تو کوئی مصنف ہوں اور نہ ہی کوئی افسانہ نگار۔ اس ناول کو لکھنے کا خیال مجھے اُس وقت آیا۔ جب مجھے زندگی کی تلخ حقیقتوں سے دوچار ہونا پڑا۔

میرے خیال میں کوئی بھی انسان نہ تو پیدائشی مصنف ہوتا ہے اور نہ ہی افسانہ نگار۔ میں نے اس ناول میں نام نہاد سماجی ٹھیکداروں کے چہرے سے خودغرضی ہوس پرستی اور شیطانی پردے کو چاک کرنے کی کوشش کی ہے۔ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح ظالم سرمایہ دار اپنے مفاد کیلئے معصوم اور بھولے بھالے انسانوں کو اپنے سنہرے جال میں پھنسا کر سودا بازیاں کرتے ہیں۔

مجبور اپنی مجبوری کے آگے سر خم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب یہ بستہ ارمان جوالا مکھی بن کر ابل پڑتے ہیں اور سرمایہ داروں کے شیشوں کے محل چکنا چور ہو جاتے ہیں۔

میں سماج کے ان شیطان نما فرشتوں کے چہرے سے خودغرضی ہوس پرستی اور شیطانی چہروں سے پردہ چاک کرنے میں کس حد تک

کا مدعا کیا ہے وہ آپ یہ ناول پڑھنے کے بعد جان سکتے ہیں۔

آئیے ہم ایک ہو کر محلوں میں پلنے والے ان شیطان نما انسانوں

کو ایک بار پھر یہ کہہ کر للکارے کہ

"ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے زمانے سے ہم نہیں"

خیر اندیش
سید مشتاق ہمدانی
بوٹہ کدل سرینگر فون نمبر 59168

"میں WOMEN'S COLLEGE کی بہن فریدہ قادری
کا بہت ہی ممنون ہوں۔ جن کے اشتراک سے
یہ مشکل کام پایۂ تکمیل تک پہنچا۔"

"اُف یہ ہسپتال کی زندگی میرے لئے موت سے بھی ابتر ہوتی جا رہی ہے ایسا لگتا ہے کہ ان اونچی اونچی دیواروں میں مجھے اس طرح قید کیا گیا ہے جس طرح اللہ نے انسان کے جسم میں روح کو قید کیا ہو"۔

میں اس قید حیات سے رہائی پانا چاہتا ہوں"۔

میرے لئے زندگی میں اب باقی ہی کیا رہا ہے؟ چند سانس زندگی کی امانت ہیں جنہیں میں کسی بھی صورت میں جلد سے جلد پورا کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے زندگی کو جتنے قریب سے دیکھا ہے۔ میں اب موت کو بھی اتنے ہی قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری باہیں موت کے سائے سے لپٹنے کے لئے اس طرح بے تاب ہے۔ جس طرح سجی سجائی نئی نویلی دلہن بے تابی سے اپنے انجانے شریک حیات کا انتظار کرتی ہے۔

دور سے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اور ارشد کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

جمیلہ ۔ ارشد بھیا تم ہمیشہ کسی نہ کسی خیال میں کھوئے رہتے ہو۔ آخر کون سی ایسی بات ہے جس نے تمہارے اس حسین چہرے کو افسردہ بنایا ہے؟ کون سی ایسی شے ہے جس کی جستجو میں تمہاری آتما ہمیشہ بھٹکتی رہتی ہے؟ ۔ تمہاری ان سیاہ نرگس آنکھوں کو کس چیز کی تلاش ہے!

ارشد: کچھ نہیں sister تم خواہ مخواہ شک کر رہی ہو۔ میں نہ کبھی سوچتا ہوں۔ اور نہ ہی کبھی مجھے کسی چیز کی جستجو رہی ہے اب بھلا میں کیوں سوچوں اور خود کو پریشان کروں۔

جمیلہ: نہیں ارشد تمہاری آنکھیں اور تمہارا چہرہ اس بات کی ضمانت ہے کہ تم رات بھر نہ تو سو سکے ہو۔ اور نہ ہی تمہیں سکون ملتا ہے۔

ارشد: SISTER جب سے مجھے ہسپتال کی ان چار دیواری میں قید کیا گیا صرف تم ہی ایک ایسی لڑکی ہو جو ہر وقت میرا خیال رکھتی ہے۔ سچ مانو اگر میری اپنی سگی بہن بھی ہوتی وہ بھی اس طرح میری سیوا کبھی نہیں کرتی؟

جمیلہ: تو کیا تم مجھے اپنی سگی بہن نہیں سمجھتے ہو؟

ہاں ہاں ٹھیک ہی تو ہے میں ٹھہری ہسپتال کی ایک معمولی سی

نرس ۔ تمہارے سامنے میری اوقات ہی کیا ہے ۔ میں تمہاری سیوا کرتی ہوں۔ اس کے لئے مجھے معاوضہ ملتا ہے "اب بھلا مجھے تم سے کوئی سوال پوچھنے کا کیا حق ہے"۔

جمیلہ نے شرارت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ اُس کی آنکھوں میں ننھے ننھے موتیوں کی طرح آنسوؤں رقص کرنے لگے۔

ارشد : نہیں نہیں۔ میری چھوٹی گڑیا۔ کبھی بھی ایسا خیال نہ لانا کہ میں تمہارا کچھ بھی نہیں لگتا ہوں۔ تمہارا اور میرا رشتہ مریض اور معالج کا نہیں۔ بلکہ یہ رشتہ وہ رشتہ ہے جو صدیوں سے مقدس بندھنوں میں چلا آرہا ہے۔

جمیلہ ! میری چھوٹی بہن تمہارے سوا اس خودغرض دنیا میں میرا کون ہے ؟ میں ایک ایسا چراغ ہوں جسکی لو ٹمٹما رہی ہے۔ نہ جانے کب آندھی کا ایک حلقہ سا جھونکا اس کو بجھا ڈالے مجھے معلوم ہے کہ میں یہاں چند دنوں کا مہمان ہوں۔ ایک نہ ایک دن اسی بستر پر جہاں آج تم میرے سرہانے بیٹھ کر مجھے دوائی پلا رہی ہو۔ اپنے ارشد بھیا کو آخری وقت پر پانی کی چند بوندیں پلا کر اپنا حق ادا کروگی"۔

جمیلہ : ارشد بھائی آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے ؟ ہر وقت موت اور مرنے کی باتیں کرتے رہتے ہو۔ آخر تم

زندگی سے اتنے بے زار کیوں ہو۔؟ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے خوف خواہ مخواہ تمہیں موت آ جائیں گی"۔

ارشد کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ چھانے لگی۔

ارشد: "پگلی کہیں کی۔ موت بھی عمر کا لحاظ نہیں کرتی۔ اگر موت کے فرشتوں کو عمر کا بھی لحاظ ہوتا تو وہ معصوم بچوں کو یتیم نہیں بناتا۔ دلہنیں کی مانگ میں سندور بھرنے سے پہلے نہیں اجاڑ کرتا۔ ماں کی چھاتی سے کبھی بھی معصوم کو چھین کر ماں کی گود سونی نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کبھی بوڑھے سے بے سہارا باپ کے سامنے بیٹے کو بلک بلک کر نہ مارتا۔

ہم سب قدرت کے ہاتھوں میں مٹی کے بنے ہوئے کھلونے ہیں۔ اور صرف موت ہی ہم کو زندگی کے بے رحم ہاتھوں سے بچانے کے لئے خود کو خطرے میں ڈالتی ہے۔ اسی طرح موت انسان کو پریشانیوں سے نجات دلاتی ہے۔

جمیلہ: دیکھو بھیا! "یہ تمہارا ارشد اور فلسفیانہ لیکچر مجھے بالکل ہی پسند نہیں۔ ہر وقت تم کسی جہان فلسفی کی طرح زندگی موت اور محبت پر لیکچر دیا کرتے ہو"۔

ارشد: جمیلہ میں سچ کہتا ہوں اور تم اسے محض مذاق سمجھ کر ٹال دیتی ہو"۔

جمیلہ : "اچھا بھیا! معاف کرنا۔ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں ناک رگڑتا ہوں۔ آئندہ کبھی ایسی غلطی مجھ سے سرزد نہیں ہوگی۔"

یہ کہتے کہتے جمیلہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے کان پکڑے اور فرش پر ناک رگڑنے لگا۔ ارشد کا ہنسی کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔

جمیلہ "لو ارشد بھیا! دوائی پی لو"

ارشد : "نہیں جمیلہ! تمہاری دوائی بہت کڑوی ہے ہم نہیں پئیں گے اسے۔"

جمیلہ کیا بچوں جیسی حرکتیں کرتے ہو۔ دوائی نہیں پیو گے تو ٹھیک کیسے ہو جاؤ گے۔ اتنے بڑے ہو گئے ہو۔ اور ذرا بھی عقل نہیں آئی"

ارشد : کون کم بخت دوائی علاج کے لئے پیتا ہے یا کس کو درد سے چھٹکارہ پانے کی خواہش ہے۔ میں تو دوائی کا ایک گھونٹ زہر جان کر پیتا ہوں۔ شاید جب انہیں زہریلے گھونٹوں سے مجھے نیند کی آغوش اپنی پناہ میں لے لیں۔ اور مجھے ابدی سکون مل جائے۔

جمیلہ : بھائی ہونے کے ناطے آج تمہیں زندگی کے پوشیدہ راز فاش

کرنے ہونگے۔ جنہیں تم آج تک مجھ سے چھپانے کی کوشش کرتے رہے ہو۔ تمہاری آنکھیں اس بات کا انکشاف کرتی ہے کہ تمہیں کے عجیب مسائل سے دوچار ہونا پڑا ہے"۔

ارشد: "جمیلہ تمہیں کیا ہو گیا؟ آخر تم میری باتوں کا یقین کیوں نہیں کرتے ہو۔ یقین جانو، میں تم سے کچھ بھی پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا"۔

جمیلہ نہیں ارشد بھیا۔ تم جھوٹے ہو۔ کیا تمہیں اپنی بہن کے سامنے جھوٹ بولتے ہوئے لاج بھی نہیں آتی؟

ارشد! جمیلہ میں نے تمہیں کبھی پرائی نہیں سمجھا"۔

جمیلہ! اچھا اگر یہ بات ہے تو تمہیں میرے سر کی قسم بھائی ہونے کے ناطے آج مجھے اپنے ماضی سے آشنا کرتے جاؤ۔

ارشد! مت دلاؤ ایسی قسم جس کے سامنے میں لاچار ہو کر اپنی زبان کھولنے پر مجبور ہو جاؤں۔ اگر میں نے اپنی زبان کھول دی۔ تو یقین مانو پتھر کلیجے موم ہو جائیں گے سمندر کی موجوں میں آگ لگ جائے گی۔ اور زمین آسمان میرے اجڑے ہوئے افسانے پہ محشر کی صبح تک آنسو بہاتے رہیں گے۔ میں نے زندگی میں بہاروں کی تمنا کی تھی۔ لیکن مجھے پت جھڑ کے پھول ملے۔ میری زندگی ایک بلا عنوان کتاب کی طرح

ہے جس کو لکھنے والے نے کبھی تپتے ہوئے ریگستانوں میں لکھا۔ اور کبھی طوفانی موجوں کی تھپیڑوں پر تصویر میں رنگ بھرنے کی کوشش کی ہمت چھپا ایسی باتیں جن سے میرے وجود میں آگ لگ جائے جن سے میری تو تمنا بے تاب ہو جائے۔

جمیلہ: میں وعدہ کرتی ہوں کہ یہ راز ہمیشہ میرے سینے میں اس طرح دفن رہے گا جب طرح کھوکھلی زمین کے نیچے انسان کی لاش۔

ارشد: میری آخری تمنا ہے کہ میری کہانی سننے کے بعد تم تب تک خاموش رہو گی جب تک میری آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند نہ ہو جائیں گی۔

جمیلہ: ارشد میرا بس چلے تو تمہیں چاند ستاروں کی عمر تیرے قدموں میں ڈال دوں۔ زندگی کو ہر خوشی سے تمہارے مرجھائے ہوئے گلستان کو سجا دوں۔ اپنی پلکوں کا ہار بنا کر زندگی بھر تمہیں اس میں چھپا دوں۔

ارشد: وعدہ کرو۔ میری بہن میری موت کے بعد تم میری کہانی کو افسانہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرو گی تاکہ پھر کوئی ارشد بدنصیبی کے داغ کے لئے اس ظالم خود غرض دولت پرست سماج کے جنگل میں نہ پھنس جائے۔ پھر کوئی مقدر کا مارا بدنصیب محبت کے میدان میں ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنی بدقسمتی پر آنسوں

نہ بہائے۔

جمیلہ: کون ایسی بدقسمت لڑکی ہوگی جس نے تم جیسے نگینہ ٹھکرا کر تمہاری زندگی برباد کی ہے۔ وہ ضرور کوئی ڈائن ہوگی۔ اگر میرا بس چلتا میں اس بدذات کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بھوکے کتوں کو کھلاتی۔

ارشد: بند کرو یہ بکواس........ خبردار آئندہ میرے محبوب کو بے وفا کہنے کی جرات نہ کرنا۔ "ہیدو کبھی بے وفا نہیں ہو سکتی کبھی نہیں...."

یہ کہتے کہتے ارشد کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔

ارشد: تو سن لو میری کہانی۔ آج میں اپنی ادھوری کہانی اپنی زبانی سناؤں گا۔

میری کہانی اس طرح شروع ہوتی ہے۔ میرے والد کرنل صاحب رشید کے مشہور تاجر تصور کئے جاتے تھے۔ وہ کبھی فوج میں کرنل نہ تھے بلکہ لوگ محبت سے انہیں کرنل صاحب کہہ کے پکارتے تھے۔ بڑے زندہ دل آدمی تھے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ بچوں کے ساتھ بچہ بن کر اور بزرگوں کے ساتھ شفقت سے بن کر رہا کرتے تھے۔

انہوں نے زندگی کی ہر خوشی سے میرا دامن بھر دیا۔ جب کسی چیز کی بھی میں خواہش ظاہر کرتا۔ وہ میرے سامنے لا جاتا۔

تھی۔ ہمارا گھر ایک پھلواڑی کی طرح تھا جس کے آنگن میں رنگ برنگی خوشیوں کے پھول لگے ہوئے تھے۔ جس کا بستا مسند ارمانوں کے گلدستوں سے سجایا گیا تھا۔ غرض بہت ہی خوشحال گھرانا تھا۔ اور لوگ ہماری خوش قسمتی پر رشک کیا کرتے تھے۔

چونکہ میں اپنے والدین کا اکلوتا چشم و چراغ تھا۔ اس لیے اُن کے لاڈ پیار نے مجھے بچپن سے ہی بے حد شرارتی بنا دیا۔ بچپن سے ہی شرارت میری نس نس میں بس چکی تھی۔

اکثر میرے والد [illegible] آتے تھے یا تو اُن کے جوتے چرا کر کنویں میں پھینک دیا کرتا تھا یا بڑی سی کیل لاکر اُن کی گاڑی کا پنکچر کیا کرتا تھا۔

کتنے ہی عجیب تھے وہ دن۔ کتنی پیاری تھیں وہ راتیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کل ہی کی بات ہے۔

ارشد کی سانسیں تیز ہونے لگیں۔ اور وہ عجیب نظروں سے جمیلہ کی طرف دیکھنے لگا۔

جمیلہ: ارشد بھیا پھر کیا ہوا؟ تم خاموش کیوں ہو گئے۔

ارشد: کچھ نہیں، تیری ایسا لگتا ہے کہ میرا حلق خشک ہو رہا ہے اگر تم برا نہ مانو۔ تو ایک گلاس پانی لا دو۔

جمیلہ: ابھی لاتی ہوں۔

جمیلہ اُٹھ کر پانی کا گلاس لینے کیلئے چلی گئی اور ارشد نے سگریٹ نکال کر اسے سلگایا اور سگریٹ کے کش لینے لگا۔

اتنے میں جمیلہ پانی کا گلاس لیکر واپس چلی آئی۔

جمیلہ :- اوہو! تمہیں کتنی بار سمجھایا کہ سگریٹ تمہارے لئے بہت ہی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ پھینک دو اسے۔

ارشد :- جمیلہ تم بھی کتنی عجیب باتیں کرتی ہو۔ میرے لئے تو سگریٹ ہی ایک ایسی شے ہے جس سے میں اپنا جان کر ہونٹوں سے لگاتا ہوں۔ ہر ایک نے مجھ سے بے وفائی کی لیکن کم بخت سگریٹ ہی اب تک میرا ساتھ دے رہا ہے اور تم ہو کر میرا یہ سہارا بھی مجھ سے چھیننا چاہتی ہو۔

جمیلہ :- تمہارا یہ خشک فلسفہ میری سمجھ میں آنے والا نہیں۔ تم سے اگر سیدھی بات بھی پوچھتی ہوں۔ تو تم اسے فلسفی ترازوں میں تول کر بیان کرتے ہو۔ میں نے تو صرف اتنا کہا کہ سگریٹ پینے سے کینسر ہو جاتا ہے نا۔

ارشد :- یہ مانا کہ تمہاری ڈاکٹری کے مطابق سگریٹ پینے سے کینسر ہو جاتا ہے لیکن مجھ بدقسمت جب کو T. B کے قلق مرض نے سینے میں گھر کر لیا۔ اس پر تمہارا کینسر اثر انداز نہیں ہو سکتا

جمیلہ :- اچھا بھیا میں ہار گئی اب تم یہ فلسفہ چھوڑ دو اور بتاؤ پھر بتاؤ

کیا ہوا.

ارشد نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا اور اُس کے سامنے ماضی کے خیالات رقص کرنے لگے وہ ماضی جس کے دامن سے اُس کا لڑکپن وابستہ رہا.

دور بہت دور آسمان پر چاند بادلوں کے پیچھے چھپ گیا اور موسلادھار بارش شروع ہونے لگی.

# باب دوم

یہ شاندار حویلی کرنل حبیب کا ہے جس کے سامنے خوبصورت باغیچہ لگا ہے۔ باغیچہ کے چاروں طرف سفیدا اور شیشم کے درخت آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ اس خوبصورت باغیچہ میں رنگ برنگے پھول لگے ہوئے ہیں۔ جن میں سفید و سرخ گلابوں کے علاوہ سیاہ گلاب کی ایک ٹہنی لٹک رہی ہے۔ اس گلاب کی ٹہنی پر روز صبح کالا گلاب کھلتا ہے۔ جو کرنل حبیب کی سفید شیروانی کی شوبھا بڑھاتا ہے۔

کرنل صاحب شہر کے مشہور تاجر اور زندہ دل انسان ہیں جن کے بارے میں یہ کہاوت مشہور ہے کہ اگر آدمی حاتم کے گھر سے ناامید ہو سکتا ہے لیکن کرنل کے در سے وہ کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹے گا۔

فلموں کے چشم و چراغ محفلوں کے تاجدار اور دیوان خانوں کی زینت کرنل حبیب جن کی شخصیت میں کمال کا وقار۔ جن کی آنکھیں تابناک اور نشہ آلودہ، جن کے چہرے پر لافانی جاہ و جلال دکھائی دیتا ہے۔ بہت ہی زندہ دل آدمی ہے۔ ویسے تو اللہ میاں نے ان کا دامن ہمیشہ ہی پھولوں سے بھر دیا اور انہیں زندگی بھر

کبھی مایوس ہونا نہیں پڑا۔
لیکن!

بدقسمتی نے ایک بار اُن کے آشیانے پر بجلی گرادی۔ جس سے اُن کا کمر ٹوٹ گئی

ان کی بیگم کی گود دس سال سے خالی رہی لیکن جب اللہ نے اُس کی مراد سن لی۔ اور اُن کے گھر چاند جیسا بیٹا پیدا ہوا۔ غریبوں کی جھولیاں بھر دی گئی محتاجوں کی مرادیں پوری کی گئیں۔ اور ہزاروں روپیہ کرنل حبیب کی طرف سے خیرات کئے گئے لیکن اسی شام ایک زوردار بجلی چمکی اور طوفانی رات میں بیگم صاحبہ نے قید حیات سے رہائی پالی۔

ارمان اُجڑ گئے۔ مرادیں بکھر گئیں اور تمناؤں کا خون ہو گیا کرنل صاحب جنہیں ہمیشہ اپنی شریک حیات پر بھروسہ رہا اور جس شریک حیات نے مصیبت کی گھڑیوں میں اس کا ہاتھ تھام کر اُسے مصیبت کی کڑی دھوپ سے بچا کر اپنے آنچل کے سائے میں چھپالیا۔
آج

وہی سہارا اُسے چھوڑ کر چلا گیا۔ اور اپنے پیچھے نہ مٹنے والی یادوں کے علاوہ جلا کر خود راکھ کی ڈھیر بن گیا۔

دن بیتے گئے خزاں کے بعد پھر بہار آگئی۔ بکھرتے مرجھائی ہوئی

کلیاں کھِل اُٹھی۔

کرنل حبیب جو کبھی اپنی بیگم کی جدائی سے مایوس رہا کرتے تھے اب پھر سے اُس کے چہرے پر رونق رونما ہونے لگی۔

دن رات وہ اپنے بیٹے ارشد جو اب پانچ سال کا ہو گیا کی پرورش کرنے لگا۔ جس کی طبیعت بچپن سے ہی عاشقانہ رہی۔ لاڈ پیار کی وجہ سے اُس کی طبیعت میں شوخی اور شرارتوں کا سنگم رونما ہوا۔

کرنل صاحب کے عزیز ترین دوستوں میں چودھری خدا بخش تصور کئے جاتے تھے۔ وہ اکثر و بیشتر کرنل صاحب کے یہاں آکر شطرنج کھیلا کرتے تھے۔ لوگ تو یہاں تک کہتے تھے کہ اگر کرنل صاحب کو اللہ میاں کے یہاں سے بلاوا آئے گا۔ چودھری وہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ یہی حال کرنل کا بھی تھا۔ وہ چودھری کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتے تھے۔

دونوں دوست اپنی دوستی کو پیار کے رشتے میں باندھ کر ہمیشہ کے لئے رشتہ دار بن جانا چاہتے تھے۔ اسی لئے ارشد اور ناہیدہ کی شادی کی بات طے پائی گئی۔

وقت گذر جانے کے بعد دونوں کو ایک ہی سکول میں داخل کیا گیا۔ ارشد ہمیشہ اپنے دوست پردیپ کے ساتھ اسکول آیا جایا کرتا تھا۔

ناہیدہ :" کیا ارشد تمہیں آج اسکول نہیں جانا ہے؟

ارشد۔ تم کون ہوتی ہو۔ مجھ سے پوچھنے والی؟"

ناہیدہ: ارے بابا میں نے تو یوں ہی کہا تھا۔ اگر تم اسکول نہیں جاؤ گے تو میں جاکے چاچاجی سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

ارشد: ارے جا جا جنگلی بلی تمہارے چاچاجی سے کون ڈرتا ہے۔

پرویز: ارشد تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ چاچاجی تمہارے والد ہیں اور تم خواہ مخواہ اُن کے بارے میں بُرا بھلا کہتے ہو۔"

ارشد: "دیکھو پرویز آئندہ اس جنگلی بلی کو کہنا کہ وہ خواہ مخواہ کی ٹانگ نہ اَڑایا کرے۔

پرویز: ارے بھیا! وہ تو تمہارے بھلے کیلئے کہتی ہے۔ تم کیوں ہر وقت ایسے لڑتے رہتے ہو۔"

ارشد: تم کون ہوتے ہو۔ لڑائی میرے اور ناہیدہ کے درمیان ہوتی ہیں تم بیچ میں کیوں قاضی میاں بنتے ہو۔"

پرویز: اچھا بھیا معاف کردو۔ آئندہ میں کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا یہ کہتے ہوئے تینوں اسکول کی طرف روانہ ہوگئے۔

ماسٹر جی! کیوں ارشد میاں کل آپ اسکول کیوں نہیں آئے تھے۔

ارشد: ماسٹر جی . . . . کل میرے پیٹ میں بہت زوروں کا درد ہو رہا تھا۔

ناہیدہ! نہیں ماسٹر جی ارشد بالکل جھوٹ بولتا۔ وہ تو کل دن بھر گلی ڈنڈا کھیل رہا تھا۔"

ارشد: سالی جب تک تم میرا ہاتھ میں میرا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔
ماسٹرجی: کم بخت کہیں کے۔ تم ناہیدہ کو گالیاں کیوں دیتے ہو؟
"اٹھو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں کہتا ہوں اٹھو۔ ۔ ۔ ۔ اور سو بار اٹھک بیٹھک کرو۔"
شام کو اسکول سے چھوٹنے کے بعد ناہیدہ اور پرویز ارشد کے گھر گئے۔
پرویز: "ارشد آج تمہیں کھیلنے نہیں آنا ہے"
"نہیں نہیں تم دونوں ہر وقت مجھ سے لڑائی کرتے ہو۔ میں اب کبھی تمہارے ساتھ نہیں کھیلا کروں گا"
ناہیدہ۔ لڑائی تو تم ہمارے ساتھ کرتے ہو۔"
ارشد۔ ہاں تم کو میں دیکھ لوں گا۔ تم نے آج ماسٹرجی سے میری شکایت کی تھی نا"؟
ناہیدہ: دیکھو ارشد سکول کی بات سکول میں ختم "میں تو کبھی تم سے لڑنا نہیں چاہتی بلکہ جب تم مجھے بلی کہہ کے پکارتے ہو، تو مجھے بہت ہی اچھا لگتا ہے"
ارشد: سچ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
ناہیدہ: ہاں سچ تمہاری قسم میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوتی ہوں۔"

اس کے بعد تینوں سمندر کے کنارے ریت کے چھوٹے چھوٹے گھروندے بنانے لگے۔

ارشد! "دیکھو ناہیدہ میں نے تمہارے لیے کیا اچھا گھروندا بنایا۔ تم میرے گھر میں رہو گی نا؟"

ناہیدہ! "آہا! کتنا سندر اور پیارا گھر ہے۔ میں تو زندگی بھر اسی گھر میں تمہارے لیے روٹیاں بنایا کروں گی۔ اور تم جب دفتر سے واپس آیا کرو گے تو میں سامنے والے دروازے پر تمہارا انتظار کرتی رہوں گی۔

پرویز: دیکھو ناہیدہ میں نے بھی کتنا سندر گھر بنایا۔ تم میرے ساتھ میرے گھر میں رہو گی نا!

اتنے میں سمندر سے ایک لہر ساحل تک آئی اور ارشد کے ریت کا گھروندہ نیست و نابود ہو گیا۔

ارشد عجیب و غریب نظروں سے اپنے بسائے ہوئے گھر کو مٹتا دیکھ رہا تھا۔

ناہیدہ:- اب کیا ہو گا ارشد۔ میں اب کہاں رہوں گی؟

پرویز: ناہیدہ دیکھو۔ میرے گھر میں میرے ساتھ رہو گی۔

ارشد: نہیں نہیں ناہیدہ میں تمہارے لئے اس سے بھی خوبصورت گھر بناؤں گا۔"

پرویز ۔ جب تک تمہارا نیا گھر پھر سے بنا جائے گا ۔ تب تک ناہید میرے ساتھ رہے گی ۔

شام ہو رہی تھی اور سورج سمندر کی گود میں منہ چھپا رہا تھا ۔ سورج کی کرنیں تمام ساحل کو سرخ کر رہی تھیں ۔ ایسا لگتا تھا ۔ کہ ارشد کی بدقسمتی پہ آسمان سے شعلے برس رہے ہیں ۔

پرویز نے ناہیدہ کا ہاتھ تھام لیا ۔ اور ارشد اُن کے پیچھے پیچھے چلتا رہا ۔

ارشد کے معصوم دل کو ٹھیس لگی اُس سے ایسا لگا ۔ کہ قدرت اُس کے ساتھ مذاق کر رہی ہے ۔ اور وہ تماشائی بنا کر یہ کھیل دیکھ رہا ہے ۔ اس واقعہ کے بعد ارشد میں اچانک تبدیلی آگئی تھی ۔ جس ارشد کی نس نس میں شرارتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔ آج وہی ارشد سنجیدگی کا ایک مجسمہ بن کر رہ گیا ۔

کہنے کو تو یہ ایک معمولی واقعہ تھا ۔ لیکن ارشد کے دل پر اس کا ایک عجیب سا اثر ہوا ۔ اس نے اپنے سامنے ریت کے بنے ہوئے گھروندے کو موجوں کی لپیٹ میں آتے ہوئے دیکھا ۔ اُس کی معصوم نگاہوں نے ایک عجیب طوفان دیکھا ۔ وہ طوفان جس سے دیکھنے کی اُسے توقع نہ تھی ۔ اُس کے سامنے پرویز ناہیدہ کو لے کر چلا گیا ۔ اور وہ دیکھتا بیچارہ رہ گیا ۔ کاش کہ جس ناہیدہ سے وہ بات بات پر لڑتا

جھگڑتا تھا۔ آج نہ جانے کیوں ایسا گرچہ لیکن اُسی ناہیدہ کے لئے اسکی

معصوم نگاہوں میں آنسوں آ جانے لگے۔

دن اسی طرح گزر جائے گا۔ کسے معلوم تھا کہ لڑکپن روٹھ

کر چلا گیا اور جوانی نے تینوں کے قدم چومے۔

اُس جوانی نے جس سے لوگ دیوانگی کے نام سے پکارتے ہیں۔

تینوں نے کالج میں داخلہ لیا اور ایک ہی کالج میں تینوں پڑھنے لگے

ارشد commerce میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ اور

کرنل صاحب کی دلی خواہش تھی کہ وہ پڑھائی ختم کرنے کے بعد کاروبار

میں ان کا ہاتھ بٹائے۔

اسی طرح چودھری خدا بخش کی دیرینہ تمنا تھی کہ ان کی بیٹی ناہیدہ ڈاکٹر بنے

پرویز جو اپنے سکول کے ایام میں قابلیت کی بنا پر سکول کی طرف سے

وظیفہ حاصل کرتا تھا اس نے قانون کے مضامین لیے۔

یہاں پر ایک ہی منزل کے تین راہی جو ایک ہی کشتی میں سفر

کر رہے تھے۔ ایک دوسرے سے الگ الگ ہو گئے۔ اُن کی زندگی کے

مختلف مقصد ہونے کے باوجود ان کا مدعا ایک ہی تھا۔

بچپن۔ وہ بچپن جس کی بے فکر و بے نیاز بانہوں میں تینوں

کھیلا کرتے تھے۔ جس کی دھیمی دھیمی مہک سے اُن کے پیار کا انچل

مہک جاتا تھا وہ لڑکپن روٹھ کر چلا گیا تھا۔ اور اپنے پیچھے نہ مٹنے

والی یادوں کے گہرے چھاپ چھوڑ دیئے تھے۔

بچپن سے لیکر جوانی تک ارشد نے کوئی دکھ نہیں دیکھا۔ کوئی پریشانی نہیں دیکھی۔ وہ دنیا کی رسم و رواج سے بے نیاز اور دنیا داری سے بے خبر اپنی پیدا کی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔

وہ پیار کی دنیا جسے پیار کی دنیا میں اُس نے ناہید کو سمجھایا تھا۔ ناہید اسکے خوابوں کی شہزادی تھی۔ اُس کے خیالوں میں پرورش پانے والی یاد اسکے وجود پر چھانے والی پرچھائی ہر وقت ہر لمحہ اور ہر پہلو کے ایک ایک گوشے میں چھپی رہتی تھی۔

یہ محبت بھی کتنی عجیب چیز ہے جب تک انسان اس کے سائے سے دور رہتا ہے تب تک اس کو ہر ایک چیز پانے کی جستجو ہر ایک شے کو حاصل کرنے کی تمنا اور ہر ایک آرزو کو پورا کرنے کی تلاش رہتی ہے لیکن جوں ہی بجلی گرتی ہے محبت کے دلوں پر، جوں ہی محبت کی ننھی سی چنگاری شعلہ بن کر دامن میں آگ لگاتی ہے۔

انسان کے لئے ہر آرزو بے بنیاد۔ ہر تمنا فضول اور ہر خواہش بے معنی دکھائی دیتی ہے۔

ایک ہی تمنا۔ ایک ہی آرزو۔ ایک ہی جستجو' ایک ہی مراد جو محبت کرنے والے کے دل میں ہوتی ہے۔ وہ محبوب کا دیدار ہوتا ہے۔

وہ پروانہ بن کر شمع کے ارد گرد گھوم کر جل جانا چاہتا ہے۔ اُسے

معلوم ہوتا ہے کہ محبت کے ان شعلوں میں لپٹ جانے کے بعد صرف راکھ کا ڈھیر رہ جائے گا۔

لیکن

اپنے وجود کو مٹا کر اپنے جسم کو جلا کر چلنے والے چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ محبت کرتے ہیں۔

محبت

جس نے دنیا کی تواریخ میں ازل سے انقلاب لاتے ہیں۔ محبت جس نے بادشاہوں کی حکومتیں تاجداروں کے تاج اور بہادر جانبازوں کی تلوار رہیں اپنی ٹھوکر میں رکھتی۔

محبت، جب جوش میں آتی ہے تو قدرت کو للکارتی ہے جب بھٹک جاتی ہے تو صحرا کو اپنے سینے سے لگاتی ہے جب نکھر جاتی ہے تو گلستان میں بہار آجاتی ہے۔

محبت جب جنون کی شکل اختیار کرتی ہے تو چٹانوں سے دودھ کی نہر نکل آتی ہے اور جب محبت کا دیا ٹمٹمانے لگتا ہے اور ظالم سماج کی تیز آندھیاں اس لو کو بجھا دینا چاہتی ہے تو آسمانوں سے بجلیاں برسا پڑتی ہے۔ زمین کا سینہ چیر کر پہاڑ کر جواہ مکھی بن جاتے ہیں

آج کالج کے مین گیٹ پر ناہیدہ پھر ارشد کا انتظار کر رہی تھی ناہیدہ کے تصور میں بچپن سے لے کر آج تک انتظار ہی لکھا تھا

بچپن میں جب وہ سمندر کے کنارے ریت کے گھروندے بنایا کرتی تھی۔ تو اُسے ارشد کا انتظار رہتا۔ آج کالج میں پھر وہ اُسی ارشد کا انتظار کر رہی تھی۔ دور سے ارشد کی گاڑی دکھائی دی جو مین گیٹ پر آکر رک گئی۔

ارشد! اُہ ناہیدہ معاف کرنا مجھے آنے میں ذرا دیر ہو گئی۔

ناہیدہ:

Arshid you are always late

ارشد:

Nahida I am very sorry"

لیکن یقین مانو آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں ہوگی

ناہیدہ: ارشد یاد رکھو تم زندگی کے ہر موڑ پر سب سے پیچھے پہنچا کرتے ہو اسی طرح تم ان چیزوں سے محروم رہ جاتے ہو جنہیں پانے کی تمہیں تمنا ہوتی ہے۔

ارشد: یاد رکھو ناہیدہ مرجانے میں بہت جلدی کروں گا۔ اور اس معاملے میں کبھی لیٹ نہیں ہو جاؤں گا۔

Never, Never Never

ناہیدہ: ارشد تمہیں آخر کیا ہو گیا ہے جو ہر وقت مرنے کی باتیں کیا کرتے ہو۔ تمہیں معلوم ہے اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو گیا تو میں ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکوں گی۔

ارشد: دیکھو جنگلی بلی یہ تمہاری فلسفی باتیں میری سمجھ میں آنے والی

نہیں ۔ اور نہ ہی ان باتوں پر سوچنے کے لیے فضول وقت پڑا ہے ۔

ناہیدہ : تمہاری بچپن کی شرارتیں اب بھی گئیں ۔ ارشد تم نے کبھی زندگی کے بارے میں سوچا ہے ۔ اپنے بارے میں سوچا ہے ؟ میرے بارے میں سوچا ہے ؟

ارشد : ناہیدہ مجھے مستقبل کی کوئی فکر نہیں اور نہ ہی میں مستقبل کے بارے میں کبھی سوچتا ہوں ۔ میں وقت کے آگے سر نہیں جھکاتا بلکہ وقت ہی میرے آگے سر خم کرتا ہے ۔

ناہیدہ : یہ تمہاری بھول ہے ارشد ۔ ایک دن تم ضرور پچھتاؤ گے ۔ تمہیں اپنے تقدیر کے آگے ہتھیار ڈال دینے پڑینگے ۔ اُس وقت جب تم دنیا میں اکیلے رہ جاؤ گے ۔ صرف تمہاری ناہیدہ تمہیں انتظار کرتی ملے گی ۔

ارشد ناہیدہ عورت ایک پہیلی ہے اس پہیلی کو سلجھانا میں نہیں جانتا میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ دنیا میں سب کچھ پیسہ ہے پیسے ہے دنیا کی ہر ایک شئے خریدی جا سکتی ہے ۔ جب تک انسان کے پاس پیسہ ہے ۔ ہر ایک اس کا شیدا ہے ۔ ہر ایک اُس کا خیر خواہ اور ہر ایک اُس کا اپنا بن کر سامنے آجاتا ہے ۔ پیسہ ختم ہوتے ہی کوئی کسی کا نہیں ۔ سب اُسے ذلیل ۔ منحوس اور بدقسمت تصور کرتے ہیں ۔ میں سمجھتا ہوں ناہیدہ تمہارا محبت بے لوث ہے

لیکن تم بھی میرا انتظار نہیں کر سکتی۔ وقت آنے پر تم اسی گیٹ
پر کسی اور کا انتظار کر سکتی ہو، ہو سکتا ہے وہ پرویز بھائی ہی
اتنے میں پرویز سامنے سے آیا اور تینوں گھنٹی بجتے ہی اپنی اپنی
کلاسوں میں چلے گئے۔

# باب نمبر ۳

**حالات** بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ عنوان بدلنے میں وقت نہیں لگتا۔

زندگی کب کونسا رُخ اختیار کر بیٹھے۔ کس سے معلوم۔

ارشد ہاں وہی ارشد جس کے سامنے دولت کے انبار لگے رہتے اور جس کے سامنے ہر حسین اپنا سر جھکاتا۔

آج وہی تقدیر کے ہاتھوں کا شکار بن گیا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ اُسکی زندگی میں اچانک اتنی تبدیلی آئے گی۔

کرنل حبیب شہر کے مشہور تاجر محفلوں کے سر پرست اور مجلسوں کے تاجدار آج بے تاج ہو گئے۔ اچانک اُن کو کاروبار بھاری گھاٹا دینا پڑا

کل تک جو اُن کے اردگرد شہد کی مکھی کی طرح پھڑ کتے رہتے تھے آج وہی اُسے بات کرنے حماقت تصور کرنے لگے۔

زندگی کتنی عجیب شئے ہے۔ آدمی اسے نہ کبھی سلجھا سکا ہے اور نہ ہی اس الجھا زندگی سلجھانے کا شعور ہے۔ ہر ایک اپنے طور پر

یہ تصور کرتا ہے کہ اُس نے زندگی کی گتھی کو سلجھا لیا ہے لیکن زندگی سلجھ جانے کے بدلے آدمی کو الجھاتی رہتی ہے۔ آدمی زندگی کی الجھنوں میں خود کو بھول جاتا ہے ان کو بھول جاتا ہے جن کے ساتھ اُس نے زندگی بسر کی ہو۔

## محض دولت کی خاطر

پھر

ایک دن ایسا آجاتا ہے کہ وقت کے ہاتھوں وہی آدمی بے بس اور لاچار بن کر اپنوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اُس کی زندگی کا وہ دور ہوتا ہے جب دولت اُسے بے وفائی کرتی ہے۔ شہرت کا تاج اُس کے سر سے گر جاتا ہے۔ اور لوگ اس کی بربادی کا تماشہ دیکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ برے وقت میں آدمی کا سایہ بھی اس سے دھوکہ دیتا ہے۔ یہی حال کرنل حبیب کا بھی ہوا۔ دوست چلے گئے۔ شہرت مٹ گئی اور دولت نے بے وفائی کی۔

گھر کا ایک ایک چیز نیلام ہو کر رہ گئی۔ کل تک جس آنگن میں بادِ صبا بھی اجازت مانگ کر داخل ہوتی تھی۔ آج وہاں پر مقدمہ بازی اور گندے فقروں کی بوچھاڑ ہونی لگی آج بھی وہی حویلی دکھائی دیتی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے یہاں پر غریبوں کی جھولیاں بھر دی جاتی تھی۔ لوگوں کے چھوٹے اور بڑے مسائل حل کیے جاتے تھے۔ ان دیوان

خانوں پر کبھی شعر و شاعری کی محفلیں منعقد کی جاتیں ۔ شراب اور شباب کے دور چلتے اور پیسے کی جھنکار پر جوانیاں ناچ اٹھتی آج اسی حویلی میں بھوک منڈلا رہی ہے پیاسی چلا رہی ہیں ۔ اور خالی جھولیاں دامن پھیلا رہی ہے ۔

اب بھلا کرنل حبیب زندہ کیسے رہ سکتے تھے ۔ اُن کے سامنے اُن کا بنایا ہوا محل چکنا چور ہو گیا ۔ اُن کی آرزوں اُمنگوں اور تمناؤں کا خون ہوا ۔

کچھ ہی دن پہلے اُن کے لباس اور جسم کیلئے جو عطر استعمال ہوتی تھی وہ غیر ملکوں سے منگوائی جاتی تھی لوگ اُن کے آنے کا خبر اُن کی خوشبو سے پاتے تھے ۔ آج عطر کی جگہ پسینے کی بدبو اور ریشمی لباس کی جگہ کھدر کا پھٹا ہوا کرتہ ۔ اُن کے جسم کو چھپا رہا تھا ۔ یہ لباس کرنل حبیب کے جسم کو تو ڈھانپ سکتا تھا ۔ لیکن اُس کی بد قسمتی اور لاچاری کو کیسے چھپاتا ۔

ہر گھر میں کرنل حبیب کی بد قسمتی کے چرچے ہونے لگے ۔ جو اُس کے حق میں دعائیں مانگتے تھے ۔ آج وہ سب اُسے منحوس اور بد قسمت تصور کرنے لگے ۔

چودھری صاحب جو کبھی کرنل حبیب کے گھر آیا جایا کرتے تھے آج جب کرنل حبیب کو قسمت کی بازی نے شکست دی تو وہ اُس راستے

کو بھول گئے۔ جس راستے کو اپنانے کی انہیں جستجو تھی کرنل یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور اُن کو دل کا دورہ پڑا۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ دوائی کیلئے گھر پر ایک پھوٹی کوڑی بھی باقی نہ بچی تھی۔

حویلی نیلام ہو چکی تھی۔

ارشد نے پڑھائی چھوڑ دی اور کرنل حبیب حویلی سے جھونپڑی تک پہنچ گئے۔ یہ جھونپڑی ان کے بہت پرانے وفادار نوکر سلطان میاں کی تھی۔

کرنل حبیب ہی کی مہربانی سے سلطان میاں نے یہ جھونپڑی بنوائی تھی

کتنا عجیب ہے زندگی کا یہ کھیل جو مالک کو نوکر کی جھونپڑی میں رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ کرنل حبیب محلوں میں رہنے والا آج اپنی زندگی کی آخری سانسیں اپنے نوکر کی جھونپڑی میں پورے کر رہے تھے۔

کرنل حبیب: سلطان میاں ارشد کہاں چلا گیا اس کو جلدی سے بلاؤ۔ میرا آخری وقت قریب آ گیا۔ ایسا نہ ہو کہ مرنے سے پہلے میں اپنے بیٹے کی صورت دیکھنے کو ترسوں۔

سلطان میاں: میرے آقا ایسی باتیں مت کیجئے۔ ابھی تو آپ کو سو برس تک جینا ہے۔

کرنل حبیب: نہیں سلطان میاں وقت پورا ہو گیا میں اب گہری نیند سونا چاہتا ہوں جلدی کرو۔ ارشد کو بلاؤ۔

سلطان میاں باہر چلے گئے اور کرنل حبیب حسرت بھری نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں بھی کتنا بدقسمت ہوں۔ محلوں سے جھونپڑی میں زندگی کی آخری سانسیں گن رہا ہوں۔" میرے خدا۔ یہ تم مجھے کن گناہوں کی سزا دے رہے ہو۔ میرا روح پانی کے ایک ایک قطرے کیلئے تڑپ رہا ہے۔ شاید میری بدقسمتی مجھے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے سے ملنے بھی نہ دے"۔

کرنل حبیب کے خیالوں کا سلسلہ اُس وقت ٹوٹ گیا جب ارشد اور سلطان میاں کمرے میں داخل ہوئے۔

ارشد :۔ کیا بات ہے ابا جان خدانخواستہ آپ کے دشمنوں کی طبیعت پھر خراب ہو گئی۔

کرنل حبیب : نہیں بیٹا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں میرے قریب آؤ۔ میں تم سے آج کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں ایسا نہ ہو کہ میرے ارمان میرے ساتھ دفن ہو جائیں۔

ارشد : ابا جان خدا کیلئے آرام کیجئے آپ کو اس وقت آرام کی سخت ضرورت ہے"۔

"میں جا کے ڈاکٹر کو لاتا ہوں"

کرنل حبیب ! نہیں بیٹا۔ تم کہیں مت جاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے پاس ڈاکٹر کو دینے کے لئے فیس نہیں ہے اور رہا میری بیماری

کا علاج ڈاکٹر نہیں کر سکتا۔ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ زندگی کی چند سانسیں باقی رہ گئی ہیں۔ انہیں میں جلد از جلد پورا کرنا چاہتا ہوں"

ارشد۔ محض خدا کے لئے خاموش ہو جائیں میں کسی بھی صورت میں آپ کے لئے ڈاکٹر کو لاؤں گا۔ چاہے مجھے ادھار مانگنا پڑے۔ یا چوری کرنی پڑے۔

کرنل حبیب۔ نہیں میرے بد قسمت بیٹے۔ مجھے اس بات کا پورا احساس ہے کہ اس اندھیر نگری میں کوئی تمہاری مدد نہیں کرے گا اور نہ ہی کوئی تمہیں ادھار دے گا"!

ارشد۔ میرے خدا میں بھی کتنا بد قسمت ہوں۔ میرے سامنے میرا بوڑھا باپ زندگی کی آخری سانسیں گن رہا ہے اور میں اس کو بچانے کیلئے ڈاکٹر بھی نہیں لا سکتا ہوں۔ میرے خدا یہ تمہارا کیسا انصاف ہے" یہ کہتے کہتے ارشد کمرے سے باہر ڈاکٹر کو بلوانے چلا گیا اور کرنل حبیب اس کو پیچھے سے آواز دیتا رہا۔

کرنل حبیب! ارشد مت جاؤ میرے بیٹے ایسا نہ ہو کہ موت کی آغوش مجھے آخری بار تم سے ملنے نہ دے۔

لیکن ارشد باہر جا چکا تھا۔ اور کرنل حبیب کی حالت لمحہ بلمحہ بگڑتی جا رہی تھی۔

کرنل حبیب! سلطان میاں . . . میرا وقت قریب

آرہا ہے۔ موت کے فرشتے مجھے اپنی باہنوں میں لپٹنے کیلئے بے تاب ہے لیکن ارشد ابھی تک کیوں نہیں آیا! ۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میری روح پانی کی ایک ایک بوند کے لیئے تڑپ کر رہ جاؤں گا۔

ارشد کے جیب بالکل ہی خالی تھے اور کوئی بھی اس قسمت کے مارے کو مدد کرنے کے لیئے یا ادھار دینے کیلئے تیار نہ تھا۔ مجبوراً ارشد ڈاکٹر گپتے کے پاس چلا گیا۔

ارشد ۔ ڈاکٹر صاحب خدا کے لیئے میرے ساتھ آئے میرے والد کی حالت بہت ہی نازک ہے۔

ڈاکٹر گپتے ۔ دیکھو بھیا ڈاکٹری میرا پیشہ ہے اور میں بغیر فیس کے کبھی کسی مریض کو دیکھنے نہیں جاتا۔

ارشد ۔ ڈاکٹر صاحب خدا کیلئے میرے ساتھ چلئے میں زندگی بھر آپ کی غلامی کرتا رہوں گا۔

ڈاکٹر : غلامی کرنے کیلئے میرے پاس بہت سے نوکر ہیں اور میں کسی نئے نوکر کو نہیں لینا چاہتا ہوں۔

ارشد ! ڈاکٹر صاحب ایسا مت کہیئے میں اپنا سب کچھ آپ کو دینے کیلئے تیار ہوں۔

ڈاکٹر : تمہارے پاس بدقسمتی کے سوا دینے کو اور کیا ہے تم مجھے کیا دے سکتے ہو ... تم زمین پر رہ کر چاند ستاروں کی

باتیں کرتے ہو۔ نکل جاؤ یہاں سے۔"

I say get out

ارشد! ڈاکٹر صاحب میں آپ کے پاؤں پڑتا ہوں میری مدد کیجئے۔ آپ جو بھی کہیں گے میں کرنے کیلئے تیار ہوں۔

ڈاکٹر۔ میں ایک شرط پر تمہارے ساتھ آ سکتا ہوں اگر تم بلڈ بنک میں اپنا خون دیکر میری فیس ادا کر سکتے ہو تو.....

ارشد! مجھے منظور ہے ڈاکٹر صاحب۔

ارشد ڈاکٹر کے ساتھ لیبارٹری چلا گیا۔

کرنل حبیب کی حالت آہستہ آہستہ بگڑتی جا رہی تھی۔

کرنل حبیب۔ سلطان میاں، ارشد ابھی تک نہیں آیا۔ میں جا رہا ہوں۔ میری آخری تمنا ہے..... کہ ارشد کے سر پر پھولوں کا سہرا دیکھوں۔ لیکن موت کے بے رحم ہاتھ شاید اتنی مہلت نہ دے۔ سلطان میاں میں نے اور چودھری خدا بخش نے وعدہ کیا تھا کہ ناہیدہ میرے گھر کی بہو بن کر آئے گی۔ میں شاید اپنا وعدہ نہ نبھا سکوں۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ تم میری یہ آخری تمنا پوری کرنے میں ارشد کی مدد کرو گے۔

جس دن ناہیدہ میرے گھر کی بہو بن کر آئے گی اور

ارشد کے سر پر پھولوں کا مہکتا ہوا سہرا بندھے گا۔ اس دن...
تم میری قبر پر دو آنسوں بہا دینا تاکہ میرے روح کو سکون مل جائے
یہ کہتے کہتے کرنل حبیب کی سانس تیز ہونے لگی۔ دل تیز تیز
چلنے لگا۔ اتنے میں ارشد ڈاکٹر کو لے کر کمرے میں داخل ہوا۔

ڈاکٹر:- I am very sorry, Mr Arshid,
He is dead"

بستر پر کرنل حبیب کی لاش ظالم سماج خود غرض لوگوں
کی طرف ایسے دیکھ رہی تھی۔ جیسے کوئی بھٹکا ہوا مسافر منزل
کی طرف دیکھ رہا ہو۔

آج کرنل حبیب، وہ کرنل حبیب ظالم دنیا کے بندھن
توڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہاں چلا گیا تھا جہاں نہ خود
غرض دوست تھے اور نہ ہی حوص پرست انسان۔

جس آدمی کے در پر ہر صبح مانگنے والوں اور حاجت مند
انسانوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔

آج

اس کا جنازہ اٹھانے بغیر ارشد اور سلطان میاں
کے کوئی بھی نہ تھا۔

کوئی ایسا غم خوار نہ تھا جو ارشد کو دلاسہ دیتا اور سینے

ہے لگا کر اس کے آنسوں پونچھ ڈالتا۔

آج وفادار سلطان میاں کے آنکھوں کے آنسوں خشک ہو گئے تھے اُن کے لب سوکھ گئے تھے اور اس کا سینہ جل رہا تھا غم کے بادل بدقسمتی کا لباس پہنے ہوئے ارشد کے سر پر منڈلا رہے تھے

ارشد خود ہی خود کو دلاسہ دے رہا تھا

## قبرستان

جب سے دیکھ کر لوگ اکثر کچھ وقفے کے لئے موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہوتے ہیں۔

آج وہی قبرستان اس انجانے مہمان کا انتظار کر رہا تھا۔ جس کے جنازے کو صرف دو آدمی کاندھا دے رہے تھے۔

قبرستان چیخ چیخ کر لوگوں کو آواز دے رہا تھا۔

اے خود غرض لوگو دیکھو" دولت نے تمہارا ساتھ نہیں دیا اور نہ کبھی دے گی۔ آخر تمہارے زندگی کے راز میری کھوکھلی زمین میں پوشیدہ رہ جائیں گے۔ میں تمہارے جسم اور تمہارے گناہوں کو اپنے سینے میں چھپاتا ہوں۔" میرے سوا دنیا میں اور کوئی ایسی شئے نہیں جسے تم اپنا کہہ سکو۔ آج میری گود میں میری بانہوں میں تمہارا وہی پرانا ساتھی آگیا جو کبھی محفلوں میں تمہارے ساتھ شریک

ہوتا تھا۔

"تم کہاں ہو"

اے سماج کے نام نہاد ٹھیکے دارو۔ ایک دن تمہارا بھی یہی انجام ہونے والا ہے جس طرح آج تمہارا دوست بے بس ہو کر میری بانہوں میں آگیا۔ کل تم کو بھی اسی طرح میری پناہ میں آنا پڑیگا۔ اُس وقت دنیا کی کوئی بھی دولت تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔ کوئی بھی عزیز تمہارے بدلے موت کو اپنے سینے سے نہیں لگائے گا کوئی بھی خیر خواہ تمہیں قبر کے عذاب سے نجات نہیں دلائے گا تم سمجھتے ہو کہ بدقسمتی کے سائے صرف غریبوں پر منڈلاتے ہیں۔ ایک دن تمہیں بھی اس کا سامنا کرنا پڑے گا"

قبرستان پر آہستہ آہستہ اندھیرا چھاجانے لگا۔ ویران وادی میں جہاں بے زبان انسان اپنا سر چھپاتے ہیں۔ خاموش اور پرسکون ماحول میں سیاہ اندھیرا چھانے لگا۔

ارشد اور سلطان میاں قبرستان سے جوں ہی واپس لوٹ رہے تھے کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا۔ جو ان کو ہمدردی کے دو الفاظ بول کر تسلی دے دیتا۔

کاش ان تہذیب کے علم برداروں سماج کے ٹھیکداروں اور سیاست کے سرپرستوں کو صرف اتنا یاد رہتا کہ دولت بالکل

۱

ایک ایسی وحشیہ کی طرح ہے جو کبھی ایک ہی گاہک کے ساتھ زندگی بسر نہیں کرتی ہے"۔

ایک زمانہ تھا جب یہی نام نہاد سماج سیوک شیطان نما انسان محض پینے کی خاطر کرنل حبیب کے اردگرد بھکاریوں کی طرح ہوتے تھے۔

ایک دن یہی لوگ ارشد کی قسمت پر رشک کیا کرتے تھے اور آج یہی لوگ ارشد کو منحوس اور بد قسمت تصور کرنے لگے۔

کیا دنیا کا ہر رشتہ دولت کے ترازوں سے تولہ جاتا ہے؟ کیا دنیا والوں میں انسانیت نام کی کوئی چیز باقی نہ رہی۔

کیا دنیا کے ہر رشتے کو لوگ اسی لئے توڑتے ہیں کہ آدمی بد قسمتی کا شکار ہو جانا، اور دولت عزت اور سستی شہرت آن دامن چھوڑا دیتی ہے۔

ہو سکتا ہے لیکن ان تہذیب اور سماج کے خود غرض لوگوں کو ایک دن مظلوم کے آگے سر جھکانا پڑے گا۔"

ایک دن ضرور آئے گا۔ جب ان شیطانوں کی سمجھ میں آئے گا کہ وقت بدل رہا ہے اب لوگ اتنے بے وقوف نہیں، خود غرض سیاست دانوں نام نہاد سماج سدھاروں اور چور بازاری کرنے والے کو انقلاب کے آگے سر جھکانا پڑے گا۔ اس وقت کوئی بھی انسان ان کی حالت پر

رحم نہیں کھائے گا۔

## باب چار (۴)

کالج کے پرنسپل پروفیسر کھنہ کو ارشد کے حالات پر رحم آیا اور انہوں نے ارشد کو کالج میں کلرک کی حیثیت سے کام پر لگا دیا۔

وہی کالج جہاں پر کبھی وہ اپنی گاڑی میں آیا کرتا تھا۔ جہاں کی ہر حسین نظر اسے دیکھنے کے لئے ترستی تھی۔ جہاں پر یہ کہا جاتا تھا کہ ارشد کے آنے سے ستاروں میں چاند چلا آتا تھا۔ اسی کالج میں آج ارشد پھٹی ہوئی قمیض مرجھایا ہوا چہرہ اور مایوس سا نگاہیں لئے داخل ہوا۔

کالج کے اسی گیٹ پر جہاں کبھی اس کا محبوب انتظار کیا کرتا تھا۔ اس کے قدم رک گئے وہ کچھ تلاش کرنے لگا۔ شاید اسے ماضی کی تلاش تھی۔ لیکن پھر اچانک اسے خیال آیا اور وہ آگے چلنے لگا۔ آگے بڑھ کر اسے دور سے پرویز اور ناہیدہ دکھائی دیئے جو کالج کے لان میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں محو تھے۔

ارشد کو دیکھتے ہی پرویز اور ناہیدہ اسکے قریب آئے ہیں۔

پرویز: ارشد معاف کرنا۔ تمہارے والد کے گذرنے کا مجھے بے حد افسوس ہے۔ میں اس دن نہ آسکا۔ کیونکہ ناہیدہ نے پہلے ہی سے سینما کے دو ٹکٹ لے رکھے تھے اور اسی لیے مجبوراً مجھے سینما جانا پڑا۔"

ارشد: کوئی بات نہیں میرے دوست کسی کے نہ آنے سے کیا اباجان زندہ ہوجاتے۔

پرویز۔ اچھا تو یہ بتاؤ تم آج کل کیا کرتے ہو۔

ارشد — پرنسپل صاحب کی مہربانی سے مجھے اسی کالج میں نوکری ملی۔

پرویز: "بہت خوب"

ارشد پرویز کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ ناہید پر نظر پڑی اور اور کہنے لگا۔

ارشد: ناہیدہ تم کیسی ہو؟

ناہیدہ: ٹھیک ہوں ارشد تم بتاؤ تمہارے دن کس طرح گذرتے ہیں۔ اور ہاں اگر تمہیں روپیہ پیسوں کی ضرورت ہو تو میں نوکر کے ہاتھوں بھیجوں گی۔

ارشد: غریب نوازی کا شکریہ! ابھی میری حالت ایسی نہیں ہے کہ میں تمہارے ٹکڑوں پہ پلوں؟

ناہیدہ! یہ تو میرا فرض تھا۔ باقی تمہاری مرضی،
چلو! ہنی ڈارلنگ دیر ہوگئی۔

ارشد اپنی بد قسمتی پر مسکرا رہا تھا ناہیدہ جس نے کبھی زندگی بھر ساتھی بنانے کے وعدے کئے تھے۔ جو ہمیشہ یہ کہا کرتی تھی
"ارشد زندگی کے ہر موڑ پر میں تمہارا ساتھ دوں گی۔"
کہاں گئے وہ دن کہاں گئیں وہ راتیں۔ جب چاندنی راتوں میں ناہیدہ میرے سینے پر سر رکھ کر یہ کہا کرتی تھی۔
"ارشد تم میرے خوابوں کے شہزادے ہو۔ تمہارے بغیر میری زندگی ویران بہاروں کی طرح ہے اگر تم مجھ کو نہ ملے۔ تو میں خودکشی کر لوں گی۔ تمہارے بغیر میں ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتی ہوں۔"
جھوٹے تھے اس کے وعدے، فریب تھا اس کی باتوں میں، اور زہر تھا اس کی ان اداؤں میں جنہیں دکھا دکھا کر وہ میرے دل و دماغ پر چھا جاتی تھی۔
مجھے یاد ہے وہ دن جب ایک بار وہ میرے گھر آئی تھی۔ میں اپنے لان میں بیٹھا کوئی ناول پڑھ رہا تھا کہ ناہیدہ میرے قریب آئی اور کہنے لگی۔

ناہیدہ! ارشد صاحب کیا کر رہے ہیں آپ"۔
ارشد! کچھ نہیں یوں ہی بس ناول پڑھ رہا تھا۔

ناہید! آپ کو کونسا ناول زیادہ پسند ہے؟
ارشد! کوئی بھی ناول جو سامنے آجائے۔"
اچھا تو ناہید یہ بتاؤ تمہیں کس قسم کے ناول زیادہ پسند ہیں۔

ناہید۔ میں صرف وہ ناول پسند کرتی ہوں۔ جس میں محبت کرنے والے دلوں کا عکس دکھائی دے۔ مجھے رومانٹک ناول بے حد پسند ہے۔
ارشد: اچھا تو یہ بات ہے۔ تمہیں یہ رومانٹک ناول اس لیے پسند ہے۔ کیونکہ ان کا انجام دردناک ہوتا ہے۔
ناہید: نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ میں کبھی یہ گوارہ نہیں کر سکتی کہ محبت کرنے والوں کا انجام عبرت ناک ہو۔ میں تو ہمیشہ یہی چاہتی ہوں کہ آخر میں کسی نہ کسی طرح محبت کرنے والے مل جائیں اور ایک ہو جائیں۔
ارشد! بہت خوب مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تم کسی کی محبت کے سنہری جال میں گرفتار ہو کر رہ گئی ہو۔ اب تو تمہیں دن رات آرام کرنے کی ضرورت ہے یا کسی ڈاکٹر کے پاس جا کر علاج کروا لیجئے۔ ارشد نے مذاق کیا۔

ناہید۔ ارشد تمہیں نہیں معلوم۔ جب کسی کے دل پر محبت کے فرشتے اپنی پرچھائیاں ڈالتے ہیں۔ اس کے لیے زندگی ایک کھیل بنکر رہ جاتی ہے۔ دن رات وہ اپنے محبوب کی یادوں میں غرق

رہتا ہے۔ وہ زندگی سے بیزار اور دنیا داری سے بے نیاز ہو کر رہ جاتا ہے۔

محبت کا علاج ڈاکٹروں یا حکیموں کے پاس نہیں، بلکہ معشوق کے یدِ محبوب کی ایک جھلک مرہم کا کام دیتی ہے

محبت کرنے والے دلوں کو کبھی چین نصیب نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی وہ آرام کے طلب گار ہوتے ہیں۔

"محبت عبادت ہے اور دل ایک مقدس عبادت خانہ جہاں پر محبوب بسا کرتا ہے۔

"میں سمجھتا ہوں کہ محبت ہی خدا ہے اور محبت ہی ازل سے ابد تک دنیا پر حکومت کرے گی۔ محبت کی چنگاری جب بادشاہوں کے دلوں پر پڑی تو انہوں نے محبت کی خاطر تخت و تاج اور مال و گوہر ٹھکرا دیئے۔

محبت کا عکس جب کسی دل پر پڑ جاتا ہے تو وہ صحراؤں میں تپتے ہوئے ریگستان کو سینے سے لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

محبت آدمی کو پتھروں سے سر ٹکرانا سکھاتا ہے محبت آدمی کو سمندروں کا سینہ چیر کر ساحل کی طرف لے جانے کی قوت بخشتا ہے یہ سب محبت کے کرشمے ہے۔

ارشد! بہت خوب ناہید، تم جیسی بھولی بھالی لڑکی

کے موضوع پہ ایسا لیکچر دے سکتا ہے۔ اس کی امید نہ تھی
ناہیدہ: "تم میرے خیالات کو محض لیکچر سمجھتے ہو، میں
حقیقت بیان کر رہی ہوں"۔

ارشد: "اچھا تو یہ بات ہے تو جناب اتنا کہنے کی
زحمت گوارہ فرمائیں کہ کیا کبھی خدانخواستہ آپ کے دل پر محبت کی بجلی
تو نہیں گر پڑی؟"

ناہیدہ! ارشد: تمہارے مذاق کرنے کی عادت اب
تک نہیں گئی۔ تمہیں معلوم ہے کہ بچپن سے لیکر آج تک میں تمہاری
پوجا کرتی آ رہی ہوں، میرے دل کا قرار میری راتوں کا سکون، میری
آنکھوں کی نیند کب کی تم نے حرام کر ڈالی"۔

ارشد۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ناہیدہ جس بات کو
میں اپنے سینے میں برسوں سے دفن کئے ہوئے ہوں۔ اس بات کو
آج تم نے ایک پل میں کہہ ڈالا۔

تمہیں نہیں معلوم میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں، میں
نے کئی بار چاہا کہ میں تمہیں اپنے محبت کے راز سے آگاہ کروں،
لیکن نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اگر تم نے میری محبت
ٹھکرا دیا۔ تو میرا دل ٹوٹ جائیگا۔ اسلئے میں آج تک تم کو اپنے
محبت کے راز سے آگاہ نہ کر سکا۔

ناہیدہ ۔ تم سے دور رہنے کے بعد مجھے اب محسوس ہوتا ہے کہ میری زندگی مجھ سے خفا ہے ۔ اور جب تم میرے قریب آتے ہو تو ایسا لگتا ہے کہ آسمان کے ستارے تمہاری آمد پر خوشی سے جھوم رہے ہیں تم جب آتے ہو تو میرے بیقرار دل کو سکون مل جاتا ہے ۔

ارشد ۔ میری پیاسی نظروں کی پیاس تمہاری ایک جھلک سے بجھ جاتی ہے ۔ میرے دل و دماغ میں نہ مٹانے والی خوشی کی پرچھائیاں ناچ کر رقص کرنے لگتی ہے تم آجاتی تو میں پاگل ہو جاتا ہوں میں خود پر قابو نہیں کر سکتا ہوں اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ قدرت نے ساری خوشیاں میرے دامن میں ڈال دی ہے کچھ دیر کے لیے میں خود کو دنیا کا خوش قسمت آدمی تصور کرتا ہوں ۔ لیکن اچانک تم ہوا کے جھونکے کی طرح آکر چلی جاتی ہو ۔ اور میری دنیا میں اندھیرا چھا جاتا ہے میں اکیلا رہ جاتا ۔ مایوس اور تنہا ۔

تمہارے جانے کے بعد میری ویران دنیا میں صرف تمہاری یاد ہی ایک ایسا ذریعہ بن جاتی ہے ۔ جس کے سہارے میں جدائی کا ایک ایک لمحہ جو مجھے ایک ایک برس دکھائی دیتا ہے ۔ تنہائی میں گذر لے پر مجبور ہو جاتا ہوں ۔

اچانک ارشد کے خیالات کا سلسلہ اس وقت ٹوٹ گیا ۔ جب پروفیسر کھنہ نے اسے آواز دی ۔

پروفیسر کھنہ! ارشد کیوں کیا سوچ رہے ہو۔

ارشد: کچھ نہیں پرنسپل صاحب نہ جانے کیوں آج مجھے اپنا ماضی یاد آنے لگا۔

"میرا ماضی ایک خواب کی طرح تھا۔ جو آنکھ کھولتے ہی ٹوٹ گیا۔

پروفیسر کھنہ۔ پگلے اتنی سوچنے سے کیا فائدہ؟ ابھی تو تمہیں نیتے سپاہی کی طرح زندگی سے جنگ کرنا ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ تم تقدیر کے ہاتھوں بیکار کھلونا بن کر رہ گئے تمہارے والد کرنل صاحب میرے بہت ہی قریبی دوستوں میں سے تھے اس کالج کو بناتے وقت انہوں نے ہماری جتنی مدد کی اُس کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

کرنل صاحب زندہ دل آدمی ہونے کے علاوہ غریبوں کے ہمدرد تھے۔

بیٹا یاد رکھو جو آدمی مصیبت سے گھبرا کر پریشانی کے آگے سر خم کرتا ہے دنیا والے اُسے جینے نہیں دیتے ہیں۔ اور قدرت اُسے مرنے نہیں دیتی۔

تمہیں دنیا کی بے انصافی اور قدرت کی بے رخی دونوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ کرنل صاحب کی موت کے بعد میں تمہارے پاس اس لئے نہیں آیا کیونکہ مجھے معلوم تھا

اگر میں تمہیں جھوٹا دلاسہ دوں گا۔ تمہاری ہمت بڑھانے کے بجائے ٹوٹ جائے گی اور تم بزدلوں کی طرح قسمت پر آنسوں بہاؤ گے۔ میں نے اپنا فرض جان کر تمہیں اس کالج میں نوکری دلوائی۔

ارشد۔ پرنسپل صاحب مجھے معاف کیجیئے گا۔ مجھے معلوم نہ تھا دنیا میں میرا کوئی ایسا بھی درخواہ موجود ہے۔ جس کو میری حالت پر اتنا ترس آیا۔ میں زندگی بھر آپ کا احسان نہیں بھولونگا۔

پروفیسر کھنہ۔ Don't be silly

اور ہاں دیکھو پرسوں ہمارے کالج کا سالانہ جلسہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس Function کی تمام تیاریاں خود کرو۔ کیونکہ مجھے اس بات کی اچھی طرح واقفیت ہے کہ کالج کے زمانے میں تم کس قدر Function میں حصہ لیتے تھے اور ہر ایک Function تمہاری ہی وجہ سے کامیاب ہو جاتا تھا۔ میں اسی لیئے تم سے زیادہ اصرار کر رہا ہوں۔

ارشد۔ پرنسپل صاحب ان دنوں میں خوش قسمت تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ خوش قسمتی کی وجہ سے ہمارا کوئی بھی پروگرام کامیاب ہوتا تھا۔ آج اگر آپ کے پروگرام پر میری پرچھائیاں پڑے گی تو ناکامیوں کے بادل اس سے گھیرے میں لیں گی۔

پرنسپل: ارشد میں زیادہ باتیں سننے کا عادی نہیں ہوں۔

I say it is my order and you have to obey.

ارشد :- جی بہت اچھا۔

کالج بند ہونے کے بعد ارشد گھر کی طرف چل پڑا۔ راستے میں عجیب عجیب خیالوں نے اُسے گھیر لیا۔ جوں ہی وہ گھر میں داخل ہوا۔ تو سلطان میاں جائے نماز پر بیٹھا نماز ظہر ادا کر رہا تھا۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد سلطان میاں نے جائے نماز کو ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔

سلطان میاں :- ارشد صاحب آج آپ بہت ہی تھک گئے ہیں۔ آپکی آنکھیں سوجی ہوئی ہیں۔ کیوں کیا بات ہے؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟

ارشد : کچھ نہیں یوں ہی ذرا کام کی زیادتی کی وجہ سے تھکاوٹ محسوس کر رہا ہوں۔

سلطان میاں :- نہیں میرے آقا آپ ضرور مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔ آپ کے چہرے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کوئی ذہنی پریشانی آپ کو گھیر رہی ہے۔ میں آپ کو تب سے جانتا ہوں جب آپ میری گود میں بیٹھ کر پریوں کی راج کماری کی کہانی سنا کرتے تھے

ارشد :- سلطان میاں ایک پیالی چائے کی ملے گی؟

سلطان میاں :- بہتر حضور ابھی جا کے لاتا ہوں" سلطان میاں اندر چلے گئے۔ اور ایک بار پھر ارشد خیالوں کی دنیا میں کھو گیا۔

دور آسمان پر سورج پہاڑوں کے پیچھے اپنا منہ چھپا رہا تھا۔ سورج کی روشنی پہاڑوں کو سرخ لباس پہنا رہی تھی۔ ایک طرف یادوں کے علاوہ اور دوسری طرف دہکتے ہوئے سرخ پہاڑ۔

ایک شام وہ بھی تھی جب جھیل کے کنارے ناہید ارشد کے گلے میں باہیں ڈال کر کہہ رہی تھی۔

ناہید :- ارشد سورج شرمندہ ہو کر پہاڑوں کے دامن میں منہ چھپا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جھیل کی باہیں سورج سے لپٹانے کے لئے بیقرار ہیں۔ کتنا عجیب نظارہ ہے جیسے ہم دونوں دنیا سے دور بہشت میں آگئے ہیں۔

کتنا سکون، اور کتنی خاموشی ہے۔ ارشد مجھے اپنی باہوں میں اسی طرح سمیٹ لو جس طرح پہاڑوں نے سورج کو سمیٹ لیا ہے

ارشد :- ناہید تمہیں کیا ہو گیا ہے، ہماری محبت پاکیزہ ہے اور شادی سے پہلے ہم ایک دوسرے کی جسمانی ضرورتوں کو کسی بھی صورت میں پورا نہیں کر سکتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا تمہاری حیا کی سفید چادر پر کسی قسم کا بدنما داغ لگے۔

ناہید :- تو کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا پیار میری محبت محض

ایک فریب ہے۔ میں تم سے محبت کرتی ہے۔۔۔ اسلئے میرے روح اور میرے جسم میں تمہارا پورا پورا حق ہے۔

ارشد :۔ میں نہیں چاہتا کل تمہیں سماج کے سامنے سر جھکا کر چلنا پڑے میں تمہیں آنے والے خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ کسی بھی کنواری لڑکی کو جس کے گریبان پر ذرا بھی داغ لگ جائیں۔ سماج جینے نہیں دے گا۔

ناہیدہ۔ ارشد تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔ جن سے میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔

ارشد :۔ میں اس آگ کو بجھانا بھی جانتا ہوں۔ جو محض جنسی خواہشات پر لگتی ہے اور جسمانی پیاس بجھ جانے کے بعد خود بخود بجھ جاتی ہے۔ یاد رکھو اگر تمہاری اور میری محبت جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہوتا تو تمہارا کنوارہ پن کب کا میری ہوس کا شکار بن گیا ہوتا۔

ناہیدہ : میں تم سے محبت کرتی ہوں اور محبت اندھی ہوتی ہے شاید ایسی محبت ہزاروں جنم لینے کے بعد بھی نہیں ملتی۔ میرے جسم کے ایک ایک نس میں تم بس چکے ہو۔ میرے دل پر تمہاری حکومت ہے اور میں صرف تمہاری ہوں۔ تمہارے بغیر مجھ پر کسی اور کا حق نہیں تمہارے بغیر میری زندگی اُس

کھوکھلے پیڑ کی طرح ہے جس کی ڈالیاں ہری ہوتی ہیں۔ مگر دل خالی
شاید تم سمجھتے ہو جو جگہ تم نے میری زندگی اور دل میں پائی ہے
وہ کوئی اور حاصل کر سکتا ہے۔ نہیں... نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔

ارشد :۔ ناہیدہ اگر تم سمجھتی ہو مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔ یہ تمہاری
بھول ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور مجھے اپنے محبت پر پورا اعتماد ہے۔
جب تک محبت کرنے والے ایک دوسرے کا بھروسہ نہ کریں۔ اُن کی
محبت کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ زندگی کے سفر میں ہم کو ایک دوسرے
کا ہاتھ تھام کر کبھی کانٹوں سے گزرنا ہے اور کبھی طوفانوں سے گزرنا ہے۔ اگر
ہم ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں کریں گے۔ تو ہمیں منزل نہیں ملے گی۔
ہماری محبت کی کشتی طوفانوں کی نظر ہو جائے گی۔

ناہیدہ : ارشد مجھے معاف کردو مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں ہوس
میں اندھی ہو کر تمہاری مقدس محبت پر شک کروں گی۔
مجھے معاف کردو۔ تم انسان نہیں بلکہ فرشتے ہو... ناہیدہ
کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی۔

ارشد :۔ ناہیدہ تمہیں کیا ہو گیا۔ تم روتی کیوں ہو۔ میں نے
تو یونہی تم سے مذاق کیا تھا اور تم اس سے حقیقت سمجھنے لگی۔

ناہیدہ : ارشد خدا کے لیے مجھے اور شرمندہ نہ کرو۔

ارشد : میری طرف دیکھو ناہیدہ تمہیں میری قسم آنسوں مت

بہاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تمہارے آنسوؤں میں بہہ کر جاؤں

ناہیدہ: خدا کیلئے خاموش ہو جاؤ۔

ارشد: اے جنگلی تتلی۔ تم مجھ کو بور کرنے کے لئے آتی ہو۔ یا میرا دل بہلانے کیلئے۔

ناہیدہ: اچھا بابا اب میں کبھی آنسو نہیں بہاؤں گی۔ مجھے تمہارے سر کی قسم۔

ارشد: ناہیدہ جب میں تجھے دیکھتا ہوں تو پاگل سا ہو جاتا ہوں

ناہیدہ: اچھا حضور آئندہ سے میں بہت ہی احتیاط کیا کروں گی۔ ایسا نہ ہو، دیوانگی میں تم کوئی ایسی حرکت کر بیٹھو.....

ارشد: دیوانے اکثر حد سے بڑھتے ہیں۔ لیکن میں ایسا دیوانہ نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ حسن کے دیوانوں نے یا تو پتھروں سے سر ٹکرا کر جان دے دی ہے یا صحراؤں میں تپتے ہوئے ریگستان کو سینے سے لگایا ہے یا بہتی ہوئی ندیوں میں خود کو ڈبو دیا ہے۔ دیوانے کبھی خود غرض اور ہوس پرست نہیں ہوتے ہیں۔

ناہیدہ: اچھا بابا دیر ہو گئی ابا جان میرا انتظار کرتے ہوں گے

خیالوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ آج ارشد پھر اکیلا سوچ رہا تھا "کیا ناہیدہ بے وفا ہو سکتی ہے"۔ اتنے میں سلطان میاں چائے لے کر کمرے میں داخل ہوئے۔

سلطانہ میاں :- مالک ایک بات پوچھوں آپ سے اگر آپ بُرا نہ مانے تو . . . .

ارشد :- کہو کیا بات ہے میں کبھی بھی تمہاری بات کا بُرا نہیں مانتا ہوں۔ . . .

سلطانہ میاں :- میرے مالک آپ کو معلوم ہے جب بڑے سرکار کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ناہیدہ بیٹی کو اس گھر کی بہو بنا کر لاؤں۔ صاحب مالک کی آخری تمنا کو پورا کرنا میرا فرض ہے۔" ارشد نے زوردار آواز میں جواب دیا۔"

ارشد : سلطانہ میاں تم بھول رہے ہو کہ ناہیدہ امیر باپ کی اکلوتی بیٹی ہے اُس کے والد اپنی بیٹی کا ہاتھ کبھی بھی مجھ جیسے بھکاری کے ہاتھ میں نہیں دے گا۔

سلطانہ میاں :- لیکن حضور آپ کی منگنی تو بچپن ہی میں طے ہوئی تھی اور چودھری صاحب نے بڑے مالک سے وعدہ کیا تھا۔

ارشد: تم بھول رہے ہو۔ کس نے کس سے وعدہ کیا تھا وعدہ مرنے والے کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور مرنے والے کے ساتھ اس کو بھی دفنا دیا گیا۔

نازوں سے پلی ہوئی شہزادی کبھی بھی بھکاری کے ساتھ

زندگی بسر نہیں کر سکتی ہے محلوں کی شہزادی کہاں جھونپڑی میں زندگی بسر کر سکتی ہے وہ رشتہ تو مجھ سے نہیں بلکہ میری حویلی میری جائداد اور میرے والد کی شہرت سے کیا گیا تھا۔ شہرت چھٹتے ہی وعدہ گوں۔ اور ہاں آئندہ خدا کے لیے اس مسئلے کو نہیں چھوڑنا۔

# باب نمبر ۵

آج کالج کو بالکل دلھن کی طرح سجایا گیا تھا۔ ہر طرف شور ہر طرف شوخی بھری شرارتیں۔ کسی کو کسی کی خبر نہ تھی ہر ایک اپنی اپنی دھن میں مست تھا۔ کالج کے لان میں ایک STAGE بنا دیا گیا تھا جس کو خوبصورتی اور مخملی دری پردوں سے سجایا گیا تھا STAGE کی پچھلی دیوار پر بابو ٹیگور اور مولانا آزاد کی تصویریں لگائی گئی تھیں۔

پانچ بجے کے قریب شہر کے میئر صاحب تشریف لائے۔ جن کو اس پروگرام کی صدارت کرنی تھی۔

گیٹ پر پرنسپل کھنہ اور اس کے سٹاف کے باقی ممبروں نے میئر صاحب کا استقبال کیا۔ کچھ دیر بعد چودھری خدا بخش اپنی امپالہ کار میں تشریف لائے۔ جو پہلے کرنل حبیب کی ملکیت تھی۔ اور بعد میں چودھری خدا بخش نے لوٹ کے کرنیلام میں خرید لی تھی۔

گاڑی گیٹ کے قریب آکر رک گئی۔ اور اس میں سے ناہیدہ پرویز اور چودھری خدا بخش نیچے آئے۔

پرنسپل کھنہ آگے بڑھے اور انہوں نے چودھری خدا بخش کو اپنی نشست تک پہنچایا۔

آج سے پہلے کالج کے جو سالانہ اجلاس ہوا کرتے تھے اُن میں اکثر کرنل حبیب کو مہمان خصوصی کے طور پر بلایا جاتا تھا۔

آج اُن کا دوست نما دشمن چودھری اسی نشست پر بیٹھ کر مہمان خصوصی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

جلسہ پورے ساڑھے پانچ بجے شروع ہوا۔ اور پرنسپل صاحب نے پروگرام کا آغاز کیا۔ اس کے بعد اچانک STAGE سے ارشد کی پُرکشش آواز سنائی دی۔

" معزز حاضرین حضرات آج ہمارے اس کالج کو بنے ہوئے پورے پندرہ سال ہوئے۔ اس موقعہ پر میں اپنی اور کالج کلچر WING کی طرف سے آپ سب کو مبارک باد دیتا ہوں ہمیں خوشی ہے یہ کالج جس مقصد کے لئے بنا دیا گیا تھا کسی حد تک ہم اس میں کامیاب ہوئے ہیں۔ آج ہم کلچر WING کی طرف سے ایک ڈرامہ پیش کر رہے ہیں جس کا نام "بے وفا" ہے مجھے یقین ہے کہ آپ اسے پسند فرمائیں گے۔ شکریہ

اچانک تمام بجلیاں بجھا دی گئی اور STAGE کا پردہ دھیرے دھیرے اُٹھنے لگا۔ اور ڈرامہ شروع ہوا۔

پاورتی تم کہاں ہو۔ دیکھو میں تمہارا راجن تم سے ملنے آیا ہے۔ میں تمہارا وہی راجن ہوں جو تمہارے خوابوں میں آیا کرتا تھا۔ تم نے مجھ سے جو وعدے کئے تھے۔ تم بھول گیئں۔ لیکن میں بدقسمت اب تک تمہیں نہ بُلا سکا۔

پاورتی: کون ہو تم نکل جاؤ یہاں سے

راجن: پاورتی تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں تمہارا راجن ہوں۔ تمہارا بیچارا راجن جس کے لئے تم برسوں انتظار کیا کرتی تھی

پاورتی: میں کسی راجن کو نہیں جانتی۔

I say get out from here

راجن: اب بات مت کہو۔ پاورتی میں نے زندگی بھر تمہاری پوجا کی ہے اور آج میرا ہی بھاگوان مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تمہاری بھاگیتا میں اثر نہیں ہے

پاورتی: ارجن اپنی اوقات مت بولو۔ مت بولو کہ تم میرے نوکر کی حیثیت کے ہے۔ بھول جاؤ کہ میں نے کبھی تم سے محبت کی تھی۔

راجن: کیسے بھول جاؤں۔ کیسے بھول جاؤں ان باتوں کو، ان وعدوں کو جو

تم نے مجھ سے کئے تھے۔"

پاروتی :۔ تمہیں بھول جانا پڑے گا کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

راجن : دولت کی چھنکار پہ ناچنے والی طوائف ایک دن ضرور آئے گا جب تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گا۔ تم سمجھتی ہو تقدیر نے مجھ سے فریب کیا ہے اور تم مجھ سے بے وفائی کرو گی۔ لیکن یاد رکھو، دلوں کی آہوں سے پتھر پگھل جاتے ہیں۔ آسمان سے بجلیاں برس پڑتی ہیں اور شیش محلوں میں رہنے والے لوگوں کی دیانت نابود ہو جاتی ہے۔

پاروتی : میں کہتی ہوں یہاں سے نکل جاؤ ورنہ میں نوکروں کو بلا کر تمہیں دھکے دے کر باہر نکلوا دوں گی۔

راجن : نوکروں کو بلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں خود ہی چلا جاتا ہوں۔ لیکن جانے سے پہلے تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ تمہارے میرے پاس جو خطوط ہیں انہیں لیتی جاؤ ایسا نہ ہو تمہاری بدنامی سے تمہارا بنا بنایا ہوا سنسار برباد ہو جائے۔

پاروتی : تم مجھے BLACK MALLE کرنا چاہتے ہو۔

راجن :۔ نہیں میں تمہیں بربادی سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔

پاروتی :- تو وہ خط مجھے واپس دے دو۔ جو میں نے تمہیں لکھے تھے۔

راجن جیب میں سے خط نکال کر پاروتی کی طرف بڑھاتا ہے اور پردہ گر جاتا۔

تمام ہال تالیوں کے شور سے گرج اٹھا۔ ہر طرف ارشد زندہ باد کے نعرے فلک کا سینہ چیر کر گونج رہے تھے۔

اس کے بعد میئر صاحب انعامات تقسیم کرتے رہے۔ ارشد دور بیٹھا ناہیدہ کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہا تھا۔

آج ناہیدہ نے وہی سفید ساڑھی پہن رکھی تھی۔ جو اکثر وہ ارشد کے اصرار پر پہنا کرتی تھی۔ اُس کا حسین چہرہ ستاروں کو منہ چھپانے پر مجبور کر رہا تھا۔

FUNCTION ختم ہوتے ہی سب لوگ واپس جانے لگے اور ناہیدہ ارشد کے قریب آئی۔

ناہیدہ : ارشد مجھے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔

ارشد : جی فرمائیے کیا حکم ہے۔

ناہیدہ : میرے خیال میں تم مجھ کو رسوا کرنے چاہتے ہو

ارشد : یہ آپ کی بھول ہے۔ میں بھلا آپ کو کیوں بدنام کروں

ناہیدہ :- ارشد تم سمجھتے ہو کہ اپنے ڈرامے میں میرا کردار
رکھ کر تم مجھے یہ بتانا چاہتے ہو کہ میں نے تم سے بے وفائی کی ہے

ارشد: جی نہیں میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا

ناہیدہ :- ارشد انسان کی کچھ ایسی مجبوریاں ہوتی ہیں
کہ اس کو اپنی محبت کو بھول جانا پڑتا ہے۔ میں اب بھی تم سے اتنا
ہی پیار کرتی ہوں۔ جتنا پہلے کیا کرتی تھی۔ میرا یقین کرو۔ میری مجبوری مجھ
کو تم سے دور رہنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ تمہیں نہیں معلوم تمہاری جدائی
میں میں نے کتنے آنسو بہائے۔ میرے جگر پر کتنے خنجر چلے
میرے دل پر کتنے نشتر چلے۔

ارشد :- آخر کون سی ایسی مجبوری تھی جس نے تمہیں اپنے
بچپن کے ساتھی کو بھلانے پر مجبور کیا۔ ناہیدہ کیا تمہیں یہ بھی یاد
نہیں کہ چودھری صاحب نے ابا مرحوم کے ساتھ کیا کیا وعدے
کئے تھے۔

ناہیدہ: مجھے زبان کھولنے پر مجبور نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ میرے
حالات سننے کے بعد تمہیں مجھ سے نفرت ہو جائے۔

ارشد: تمہاری داستان سننے کے بعد مجھے تم سے نفرت
نہیں بلکہ میرے دل میں تمہارے لئے اور زیادہ محبت بڑھے گی
اور میں سمجھوں گا کہ میرے پیار نے آخری دم تک میرا ساتھ

نبھایا۔

ناہیدہ :- کرنل صاحب کی موت کے بعد جب ابّا جان کو یہ معلوم ہوا کہ تمہاری حالت بہت ہی خستہ ہوگئی ہے تمہارے پاس کھانے کو روٹی اور رہنے کو مکان نہیں۔ اُن کی نیت بدل گئی کل تک جس گھر میں وہ مجھے بہو بنا کر بھیجنا چاہتے تھے۔ اُسی گھر کے لیے ان کے دل میں نفرت پیدا ہو گیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ میرے والد کی نظریں کرنل صاحب کی دولت پر تھی اور اسی لیے وہ پہلے تمہارا اور میرا رشتہ کرنے کے حق میں تھے۔ اور آج وہی ہمارا رشتہ توڑنے پر کمربستہ ہوگئے۔

ارشد :- ناہیدہ تم بھول رہی ہو۔ کہ دل کے رشتے کبھی توڑنے سے نہیں ٹوٹ جاتے۔ دنیا والے کتنا ہی چاہیں گے کہ وہ محبت کرنے والوں کو ایک دوسرے سے الگ کریں۔ لیکن ظالم سماج کی بے رحم آندھی محبت کی شمع کو کبھی بجھا نہیں سکتی۔

یہ مانا کہ چودھری صاحب، تمہارے اور میرے رشتے سے خوش نہیں تھے لیکن تمہیں ابّا جان کی وفات پر کم ازکم میرے یہاں آکر ہمدردی کے دو بول بولنے میں کیا حرج تھا۔

ناہیدہ ارشد جس دن چاچا جی کی وفات ہوئی اُس دن میں اتنا روئی کہ آنسوؤں سے میرا دامن بھیگ گیا۔ میں نے

بہت کوشش کی۔ میں تمہارے پاس آکر تمہیں اس مصیبت کے وقت میں سہارا دے سکوں۔ لیکن تم کو کیا معلوم ارشد اُس دن اباجان نے مجھے دن بھر اپنے کمرے میں بند رکھا میں روتی رہی، چلاتی رہی۔ لیکن کسی نے میری فریاد نہیں سنی۔

ارشد :۔ تم جھوٹ بولتی ہو۔ تمہیں یاد ہے جس دن میں پہلی بار اباجان کی موت کے بعد کالج آیا۔ تم اور پرویز لان میں بیٹھے تھے۔ پرویز نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ میرے گھر ضرور آتا۔ لیکن تمہارے انکار پر وہ ایسا نہ کر سکا۔ اور مجبوراً اُس کو تمہارے ساتھ سینما جانا پڑا۔

ناہیدہ : نہیں ارشد یہ یقین کرو۔ وہ صرف ایک ناٹک تھا۔ جو پرویز تم سے کھیل رہا تھا۔

ارشد : ناہیدہ کیسی باتیں کرتی ہو۔ پرویز کبھی نہیں بدل سکتا کیا وہ مجھ سے اتنا بھیانک فریب کر سکتا ہے۔

ناہیدہ :۔ ہاں ارشد تمہیں معلوم نہیں، پرویز نے تمہارے ساتھ کتنا بھیانک مذاق کیا ہے۔

اُس نے اباجان کو تمہارے خلاف بھڑکایا اور اُس کے اصرار پر اباجان نے تمہاری حویلی کا نیلام کروایا۔

ارشد :۔ آخر کیوں پرویز کو مجھ سے دشمنی ہو گئی۔ وہ تو میرا

عزیز ترین دوست تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ خدا نے مجھے پرویز جیسا دوست دے کر بہت مہربانی کی ہے۔

ناہید: ارشد پرویز ایک چالباز شکاری ہے۔ جو ہمیشہ یہی کوشش کرتا رہتا ہے کہ کس طرح تمہیں برباد کر دیا۔

ارشد: میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے۔ میں تو ہمیشہ اس کے لیے۔ بچپن سے لے کر آج تک دعائیں مانگ رہا ہوں۔ میں ہمیشہ خدا سے یہی دعا مانگتا تھا کہ میرے مالک میرے دوست کے دامن میں دنیا بھر کی خوشیوں کا خزانہ ڈال دے۔ پھر اس نے ایسا بھیانک ناٹک کیوں کھیلا۔

ناہید: کیا تمہیں یاد نہیں کہ بچپن میں جب ہم نے ایک بار سمندر کے کنارے ریت کے گھروندے بنایا کرتے تھے۔ تمہیں یاد ہے ارشد جب تیز ہوا چلنے لگی تھی اور تمہارا بنایا ہوا ریت کا گھروندا ٹوٹ گیا تھا تو پرویز تمہیں اپنے گھر میں رہنے کے لیے مجبور کرنے لگا۔ لیکن میں اس کی نیت اس لیے نہیں گئی تھی۔ کیونکہ میرا دل تم میں ہی ارشد بس گیا تھا اور میں کسی بھی قیمت پر تمہیں کھونا نہیں چاہتی تھی۔

کیا تم اسی پرویز کو اپنا دوست کہتے ہو، جس نے ایسا بدترین فریب تمہارے ساتھ کیا؟

ارشد: ناہیدہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ ایک طرف میرا پیار مجھے پکار رہا ہے اور دوسری طرف میری دوستی مجھے آواز دے رہی۔ ایک طرف میرا پیار ہے اور دوسری طرف میرے بچپن کا ساتھی!

ناہیدہ: ارشد مجھے بہت دیر ہوگئی۔ اب مجھے جانا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ اباجان کو تمہاری اور میرے اس ملاقات کی خبر مل جائے اور وہ کوئی ایسا قدم اُٹھائیں جس سے تمہیں پریشانی اٹھانی پڑے

ناہیدہ چلی گئی اور ارشد گھر کی طرف روانہ ہوا۔ آج اُس کے سامنے ماضی اور حال اس طرح تھا۔ جس طرح کسی ماں کے سامنے دو ناسمجھ بچے ہوں۔ جن میں ایک بیحد شرارتی اور دوسرا سنجیدہ اور خاموش مزاج، وہ دونوں سے محبت کرتی ہے کیونکہ وہ ان دونوں کی ماں ہے۔ اسی طرح ارشد بھی جتنا ناہیدہ کو چاہتا تھا۔ اتنی ہی پرویز کے لئے اُس کے دل میں جگہ تھی۔ وہ دونوں میں سے کسی کو نہیں گنوانا چاہتا تھا۔ نہ اپنے دوست کو اور نہ ہی اپنے پیار کو اسی لیئے وہ آج عجیب کشمکش و پنج میں مبتلا تھا

⁂

کل تک وہ ناہیدہ کو بے وفا تصور کرتا تھا۔ لیکن آج وہی ناہید اُس کی نظروں میں محبت ۔۔۔۔ وفا ۔۔۔۔ اور پیار کی لافانی مثال دکھائی دے رہی تھی۔

کل تک وہ چاہتا تھا کہ اگر کہیں وہ بھولے سے ناہیدہ مل جائے تو وہ اُس سے اتنے شکوے کرے گا کہ وہ اپنا سر شرم سے جھکانے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن آج اُس سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی محبت پائے تکمیل تک پہنچتے پہنچتے رہ گئی ہو۔

اُس سے آج اپنی محبت پر ناز ہونے لگا۔ اور اپنے پیار پر فخر کرنے لگا۔

جونہی وہ کمرے میں داخل ہوا۔ سلطان میاں چائے لے کر آیا

سلطان میاں :۔ ارشد صاحب آج پہلی بار مجھے ایسا لگ رہا ہے آپ بے حد خوش ہیں۔ آپ کی آنکھوں میں آج پہلی جیسی شوخی اور شرارت دکھائی دے رہی ہے۔ آج ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہے۔ جس سے آپ مسکرانے پر مجبور ہوئے۔

ارشد: تمہیں کیسے معلوم کہ میں آج بہت خوش ہوں۔

سلطان میاں: میں آپ کو تب سے جانتا ہوں جب آپ بالکل ناسمجھ بچے کی طرح انگوٹھا چوسا کرتے تھے آپ میری نظروں کے سامنے پلے بڑھے۔ آپ کے بچپن سے لے کر جوانی

تک میں ایک ایک دن کا حساب دے کر بتا سکوں۔
اب اگر میں آپ کا چہرہ دیکھ کر یہ بتا سکوں کہ آپ بہت خوش ہیں یا تو اس میں کونسی بڑی بات ہے۔
ارشد: تم میرے محسن اور مددگار ہو۔ تم نے مصیبت کی اُن گھڑیوں میں میرا ساتھ دیا جب میرا سایہ بھی مجھ سے ڈر کر بھاگ رہا تھا۔

سلطان میاں: آپ مجھے کیوں شرمندہ کر رہے ہیں اگر میں زندگی بھر آپ کے پاؤں دھو کر وہ پانی پیوں آپ کے قدموں پر اپنا سر قربان کروں پھر بھی اُس نمک کا حق ادا نہیں ہوگا جو میں نے تیس سال سے آپ کے گھر کا کھایا ہے۔
اس دنیا میں آپ کے سوا میرا اور کون ہے۔ آپ ہی میرے سب کچھ ہیں میں خود کو دنیا کا خوش قسمت انسان تصور کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ میری موت آپ کے قدموں میں ہو جائے۔
ارشد: یہ تمہاری زیادتی ہے۔ ورنہ کون تھا جس نے مصیبت کی گھڑیوں میں ہمارا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ ابا مرحوم کے علاج کے لئے ہمارے پاس ڈاکٹر کے لئے پیسے بھی نہ تھے۔ کیا اُن خود غرض لوگوں کا فرض نہ تھا کہ وہ اپنے مالک کی جان بچانے کے لئے ہماری مدد کرتے۔

ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والے کتے یہ بھول گئے کہ وقت کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔

سلطان میاں: اُن نمک حراموں کی بات چھوڑ دیجیے وہ تو پیسے کے لئے اپنا دین و ایمان بیچنے لگا۔ روپیہ کی خاطر اپنی بہنوں کا سودا کرتے ہیں۔ بھائی اپنی بہن کو پیسے کی جھنکار پر ناچنے کیلئے اور بیٹا اپنی ماں کو کوٹھے پر بیٹھنے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ ان انسانما جانوروں اور وحشی درندوں میں کیا فرق ہے فرق صرف اتنا ہے۔ جانور جان بوجھ کر غلطی نہیں کرتا اور یہ سماج کے زہریلے ناگ ہر غلطی جان بوجھ کر کرتے ہیں۔ ہر گناہ سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔

ارشد: سلطان میاں میں چاہتا ہوں اگر تم زیارت کے لئے چلے جاؤ تاکہ میرے کندھوں سے ذمہ داری کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

سلطان میاں: - میری آخری تمنا ہے کہ میری جان آپ کے قدموں پر قربان ہو۔ ایک فرمانبردار نوکر کیلئے اس سے بڑھ کر عزت افزائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے مالک کے قدموں کے صدقے اپنی جان دے دیں۔

ارشد: میرے محسن میں دن رات محنت کروں گا۔ اور تب

چھین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک نہ تمہیں دیارِ حبیب تک پہنچا دوں گا

سلطان میاں:۔ میرے مالک تمہارے قدموں کے صدقے میری زندگی۔ میرے پاس دعاؤں کے سوا تمہیں دینے کو اور کچھ نہیں ہے۔

ارشد:۔ تمہارے احسانوں کے سامنے یہ تو کچھ بھی نہیں آج تک تم اپنا فرض انجام دے رہے تھے آج مجھے اپنا فرض نبھانے دو۔

سلطان میاں:۔ حضور آپ اپنا فرض پورا کیجیے اور مجھے بھی اپنا فرض پورا کرنے دیجیے۔

ارشد:۔ تمہارا فرض کیا ہے

سلطان میاں۔ مرحوم مالک کی آخری تمنا کو پورا کرنا۔

ارشد:۔ ابا مرحوم کی آخری تمنا کیا تھی۔ جو ادھوری ہو کر رہ گئی۔ میں ان کی آخری تمنا کو پورا کرنے کیلئے اپنی جان قربان کر دوں گا۔ بتاؤ... بتاؤ سلطان میاں کیا تھی میرے والد کی آخری تمنا۔

سلطان میاں: جس وقت بڑے مالک زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہنے لگے۔

"سلطان میاں میری آخری تمنا ہے کہ ارشد

کے سر پر سہرا بندھا ہوا سہرا بندے۔ میں شاید اور زیادہ دن جینے والا نہیں لیکن ارشد کو میں تمہارے بھروسے پر چھوڑ کر جاتا ہوں۔

سلطان میاں میں نے چودھری خدا بخش سے وعدہ کیا تھا کہ ناہیدہ میرے گھر کی بہو بن کر آئے گی۔ موت مجھے شاید اتنی مہلت نہ دے سکے۔ کہ میں اپنا وعدہ نبھا سکوں۔ لیکن تم ارشد کو ناہیدہ کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ میری موت کے بعد دنیا مجھے بے ایمان کے نام سے پکارے"۔

صاحب یہ مالک کی آخری تمنا تھی وہ آپ سے مل کر آپ کو یہ سب باتیں بتانا چاہتے تھے لیکن موت کے بے رحم ہاتھوں نے آپ کے آنے سے پہلے اُن کو ہم سے چھین لیا اور وہ آپ سے مل نہ سکے۔

ارشد :۔ ابا جان کی آخری تمنا کبھی پوری نہیں ہو سکتی میں نے اُن کی تمناؤں کو ان کے ساتھ ہی دفن کیا۔

سلطان میاں :۔ ایسی باتیں مت کیجئے مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ آخر آپ شادی کیوں نہیں کرنا چاہتے۔

ارشد :- ناہیدہ کی شادی پرویز سے طے ہوئی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے میرے دوست کا بسا یا ہوا گھر اُس کا سنسار برباد ہو جائے۔ میں زندگی میں صرف یا تو ناہیدہ سے پیار کرتا ہوں یا پرویز سے محبت کرتا ہوں۔

ناہیدہ میرے دل کی رانی اور پرویز میرے دل کا راجہ ہے۔ پرویز میری زندگی کا واحد ساتھی ہے جس کو میں نے دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے۔ وہ میرے بچپن کا ساتھی ہے میری جوانی کا یار ہے اور آخری وقت میں میرے جنازے کو کندھا دینے والا ہے۔ میں کسی بھی قیمت پر اس کے لئے اپنی جان قربان کر دوں گا۔ تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ پرویز کو میں کتنا چاہتا ہوں۔ دنیا کی کوئی طاقت پرویز کو مجھ سے الگ نہیں کر سکتی۔ ہماری دوستی ایک فولادی چٹان ہے جس کو طوفان نے آج تک پیدا نہیں کیا ہے۔

سلطان میاں :- لیکن کیا آپ ناہیدہ سے پیار نہیں کرتے ہیں۔

ارشد :- ناہیدہ میری زندگی ہے وہ میری نس نس میں سمائی ہوئی ہے۔ اُس کے بغیر میری زندگی ایک ادھوری ناول کی طرح ہے جس کا کوئی عنوان نہیں ہے اور نہ ہی اختتام۔

محبت کا دوسرا نام قربانی ہے۔ میں اپنے دوست کی دوستی کی خاطر اپنی پاکیزہ محبت کو قربان کروں گا۔ اپنی زندگی کی تمام خوشیوں سے میں ناہید کی سیج سجاؤں گا۔ اپنی زندگی کے تمام ارمان اپنے دوست پر قربان کروں گا۔ میں نہیں چاہتا میری وجہ سے میرے دوست کے کارناموں کی دنیا مٹ جائے۔

میں چاہتا ہوں کہ ناہید ہر حال میں خوش رہے۔ میں رسوائی اور بدنامی کے سوا اُس کو کیا دے سکتا ہوں؟

میرے پاس کھانے کو روٹی۔ تن ڈھانپنے کو کپڑا نہیں۔ رہنے کے لئے تمہاری دی ہوئی خیرات پر مکان میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ ناہید لاڈ پیار سے پلی ہوئی شہزادی میں اُس کی ضروریاتِ زندگی کیسے پورے کروں گا۔ مخمل کے فرش پر پاؤں رکھنے والی اور سونے کے دیواروں پر سر رکھنے والی کیسے بوسیدہ جھونپڑی میں زندگی بسر نہیں کر سکتی ہے۔

پرویز ایک اچھے خاندان کا لڑکا ہے کچھ ہی دنوں میں وہ انصاف کی کرسی پر بیٹھنا والا ہے۔ اُس کے پاس دولت ہے۔ اور میرے پاس صرف رسوائی۔

ارشد بولے جا رہا تھا اور ارشد کی گفتگو سلطانہ بڑے غور سے سن رہا تھا۔ اچانک باتوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور

سلطان میاں چونک پڑا۔

سلطان میاں:۔ مالک آپ کے لئے کھانا لگاؤں۔

ارشد:۔ نہیں سلطان میاں مجھے آج بھوک نہیں ہے میں سوجانا چاہتا ہوں۔ ارشد بستر پر دراز ہوا۔ اور خوابوں کی دنیا میں کھو گیا۔

۱

## باب نمبر ۶

رات دن کی محنت سے ارشد کے صحت پر بہت بُرا اثر پڑا۔ ارشد کی زندگی کا واحد مقصد ناہیدہ اور پرویز کی خوشی تھی۔ اس کے علاوہ وہ سلطان میاں کو کسی بھی صورت میں زیارت کے لئے بھیجنا چاہتا تھا۔

اکثر چار بجے کے بعد ارشد ٹیوشن لینے لگا۔ اس کے علاوہ وہ دوکانداروں کے حساب وکتاب بھی لکھنے لگا۔

مشین کی طرح کام کرنے سے ارشد جسمانی طور پر بہت کمزور ہو گیا۔ ایک دن شام کو کام سے جلدی واپس آگیا اور برآمدے میں بیٹھ گیا۔ جہاں سلطان میاں نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی سلطان میاں نے جائے نماز کو ایک طرف رکھ دیا اور ارشد سے کہنے لگا۔

سلطان میاں: ارشد صاحب برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے

آپ کی صحت دن بدن بگڑتی جا رہی ہے۔ اور میں دیکھ رہا ہوں
آپ اس گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھاتے اٹھاتے تھک
گئے ہیں۔ اور میں بدقسمت آپ کی کوئی مدد بھی نہیں کر سکتا۔
میں نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ میں آپ کو اس حالت میں
چھوڑ کر زیارت پر نہیں جاؤں گا۔

ارشد:۔ نہیں ہرگز نہیں تم کو زیارت پر ضرور جانا ہوگا۔ میں
بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ تمہاری شفقت کی وجہ سے تمہیں
دکھائی دیتا ہے۔ ورنہ میری صحت پہلے سے بہت بہتر ہے

سلطان میاں:۔ میرے سر کے بال سفید ہوگئے۔ چہرے پر
جُھریاں ہونے کو آئی۔ میری آنکھیں کبھی دھوکا نہیں کھا سکتی۔

ارشد:۔ اچھا بابا میں وعدہ کرتا ہوں کل صبح ضرور کسی ڈاکٹر
سے ملنے جاؤں گا۔

سلطان میاں:۔ مجھے معلوم ہے آپ نہیں جائیں گے میں کل
سویرے آپ کو ڈاکٹر گپتے کے پاس خود لے جاؤں گا۔

ارشد:۔ جیسی تمہاری مرضی۔

سلطان میاں:۔ کمرے کے اندر چلنے لگے اور ارشد بھی ماضی کے خیالوں میں
ڈوب گئے۔

آج ناہیدہ کو دیکھے ہوئے پورے دو سال بیت گئے۔ ایسا

لگتا ہے۔ جیسے وہ کل ہی مجھ سے مل کر گئی ہو۔ اور کہہ رہی ہو۔

"ارشد میرا انتظار کرنا۔ میں ضرور واپس آؤں گی"

لیکن ناہید وہ نہیں آئی وہ شاید مجھے بھول چکی ہے۔

"ہاں ٹھیک ہی تو ہے۔ اُس کو بھول جانا ہی چاہیے تھا۔"

سلطان میاں پھر ستے کمرے سے واپس آئے۔ اُس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جو اس نے ارشد کی طرف بڑھایا۔

"یہ ضرور ناہید کا خط ہوگا۔ شاید مدتوں کے بعد اس کو میری یاد آئی ہوگی۔"

ارشد نے لفافہ کھولتے ہوئے خط پڑھنا شروع کیا۔

"میری زندگی کے ہمسفر خوش رہو۔

آج پہلی بار میں تمہیں خط لکھ رہی ہوں۔ مجھے اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ تم مجھ سے خفا ہو۔ لیکن کیا بتاؤں تم سے بچھڑ جانے کے بعد مجھ پر کیا گذری۔

جس دن تم سے کالج میں ملی تھی۔ اُسی دن شام کو پرویز اباجان سے ملنے آیا۔ اور تمہاری اور میری ملاقات کے بارے میں اباجان کو بتا دیا۔ دوسرے دن صبح مجھے پنڈی پہنچا دیا گیا۔ تب ہی میں نے میڈیکل کالج میں داخلہ لیا یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ میں تمہیں اطلاع بھی نہ دے سکی

آج کل پرویز بھی ہیبت پر میرے ساتھ رہ رہا ہے
اُس نے میرے لئے جینے دشوار کر دیا ہے۔ ہر قدم
پر مجھ سے الٹا جھگڑتا ہے اور ہر وقت مجھ کو تانے
نے دے کر پریشان کرتا ہے

اسی وجہ سے میں تم کو آج تک کوئی خط نہ لکھ سکی
تمہارے بغیر مجھے ایسا لگتا ہے کہ مجھے بہاروں سے
نکال کر خزاں میں دھکیل دیا گیا ہے جہاں پر
بے رحم بھیڑیے مجھ کو اس طرح تڑپ کرنا چاہتے ہیں
جس طرح شکاری شکار کو تڑپ کرنا چاہتا ہے۔

ہر صبح تمہاری یاد آتی ہے اور شام تمہارے
ہی افسانے سنا کر چلی جاتی ہے۔ آج موقعہ پا کر میں
تم کو یہ خط لکھ رہی ہوں۔ ارشد خدا کے لئے اپنی
صحت کا پورا پورا خیال رکھنا۔ باقی میری ویران زندگی
میں لکھنے کو اور کیا رہ گیا ہے جو میں تم سے بیان
کروں۔"

تمہاری محبت کی طلب گار بد قسمت

ناہیدہ

خط پڑھنے کے بعد ارشد کو ایسا لگا جیسے اُس کا پورا بدن آگ کے شعلوں میں جل رہا ہے۔ اُس کا حلق خشک ہونے لگا۔ اور اُس کے لب سوکھ گئے وہ اُٹھنا چاہتا تھا لیکن اُٹھ نہ سکا۔ اُس نے سلطان میاں کو آواز دی۔

ارشد:۔ سلطان میاں پانی کا ایک گلاس لانا"

سلطان میاں:۔ "ابھی لایا حضور

سلطان میاں برآمدے سے باہر پانی لانے کے لیے نکل گیا۔ اور ارشد ناہید کے خط کا جواب لکھنے لگا۔

پیاری ناہیدہ

اللہ تمہارے دامن میں میری زندگی کی تمام خوشیاں بھر دیں۔ تمہارا خط ابھی ابھی ملا۔ یوں سمجھو جیسے ویران دنیا میں بہار آگئی ہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے خط کے انتظار میں، میں اب تک جی رہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کو کیا لکھوں۔ میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ تمہاری زندگی میں کبھی ایسے دن بھی آئیں گے۔ جن سے تمہاری خوشیاں تم سے دامن چھڑا لے گی۔

ناہیدہ اس میں کسی کا دوش نہیں ہے

سب مقدر میں لکھا ہے۔ نصیبوں سے کوئی نہیں ٹال سکتا۔ اور نہ ہی کوئی مٹا سکتا۔

لکھنے والے نے تمہاری تقدیر پتھر کی قلم سے لکھی۔ اور میں سمجھتا ہوں یہ سب میری اور تمہاری محبت کا امتحان ہے اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔

پرویز کے بارے میں جو کچھ تم نے لکھا ان باتوں پر دل یقین نہیں کرتا۔ پرویز کبھی اتنا بھی گر سکتا ہے اس کا مجھے یقین نہیں تھا۔ تمہیں بہادر بن کر تمام مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پرویز نا سمجھ ہے۔ اس کی گستاخیوں کا تمہیں کبھی برا نہیں ماننا چاہیے۔ وہ تم کو مجھ سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ زندگی کی ہر خوشی سے وہ تمہاری مانگ کیسے سجا سکتا ہے۔ اور تمہارے سامنے وہ خوشبوؤں کے خزانے لٹا سکتا ہے۔

میں تمہارے اور پرویز کے رشتے سے بے حد خوش ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ایک وفادار شریک حیات بن کر قدم قدم پر پرویز

کا ساتھ دینا۔ اس کو برائیوں سے دور رکھ کر زندگی کے حقیقی راستوں سے آشنا کرو۔

میں پرویز سے بے حد پیار کرتا ہوں اور اس کے لئے زندگی کی ہر خوشی قربان کرنے کو تیار ہوں۔ اس میں مجھے تمہارے اشتراک کی سخت ضرورت ہے۔ تمہارے اشتراک کے بغیر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ تم میرے واسطے پرویز کو قبول کرو گی۔ اس کے لئے میں زندگی بھر تمہارا ممنون رہوں گا۔ خدا کرے کہ تم پرویز کی وفادار رفیق حیات ثابت ہو۔"

تمہارا خیر اندیش

ارشد

سلطان میاں پانی کا گلاس لے کر آیا۔

ارشد :- سلطان میاں ذرا یہ خط پوسٹ کر کے آؤ۔

سلطان میاں :- آپ نے یہ خط کس کو لکھا؟

ارشد : ناہیدہ کو۔

سلطان میاں صاحب کیا آپ اب تک اسے نہیں بھولے۔

ارشد: کیسے بھول جاؤں۔

سلطان میاں:۔صاحب کل جب میں بازار سے سبزی لے کر آرہا تھا۔ تو چودھری صاحب کے نوکر یوسف میاں نے خبر دی کہ ناہیدہ بیٹیا کی شادی پرویز میاں سے ہونے والی ہے۔

ارشد:۔ ہاں بھیا تو نے بالکل ٹھیک سنا۔

سلطان میاں۔ لیکن یہ سراسر بے انصافی ہے۔ ناہیدہ بیٹیا کی شادی تو آپ سے طے ہوئی تھی۔ اب وہ کسی اور کی کیسے ہو سکتی۔

ارشد:۔ سلطان میاں خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ، ایسا نہ ہو کہ میں آپے سے باہر ہو کر تم سے کوئی گستاخی کر بیٹھوں۔

سلطان میاں:۔ لیکن میں نے کونسی ایسی بات کہی کہ جس سے آپ ناراض ہو گئے۔ میں تو صرف حقیقت بیان کر رہا ہوں۔

ارشد: خدا کے لئے یہاں سے چلے جاؤ اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ میں تنہا رہنا چاہتا ہوں۔

سلطان میاں کمرے سے باہر چلے گئے اور ارشد بستر پر دراز ہو گیا۔

خط پوسٹ کرنے کے بعد سلطان میاں واپس کمرے

میں آیا۔ ارشد کا سارا بدن بخار سے جل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں شعلہ بنا کر دھک رہی تھی۔ سارے بدن میں زوروں کا درد ہو رہا تھا۔

سلطان میاں ارشد کے قریب گیا اور کہنے لگا۔

سلطان میاں :۔ ارے آپ کا بدن تو بخار سے جل رہا ہے۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

ارشد :۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم جا کے آرام کرو'

سلطان میاں :۔ خود بے چین ہو۔ اور مجھے آرام کیلئے کہہ رہے ہو۔"

سلطان میاں نے اپنا ہاتھ ارشد کے ماتھے پر رکھ دیا۔

سلطان میاں :۔ آپ کا بدن تو بخار سے جل رہا ہے میں کسی ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔

ارشد :۔ ڈاکٹر کو بلوانے کی ضرورت نہیں۔ تھکاوٹ کی وجہ سے ذرا سا بخار آگیا۔ خود بخود اُتر جائے گا۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہو۔

سلطان میاں :۔ اچھا اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو بہتر ہے کہ تم آرام کرو۔

صبح ہوتے ہی سلطان میاں نماز سے فارغ ہو کر ارشد

کو دیکھ کر ڈاکٹر گپتے کے ہاں چلا گیا۔

ڈاکٹر گپتے

[illegible]

طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟

ارشد :۔ ڈاکٹر صاحب طبیعت تو ٹھیک ہے۔ سلطان میاں نے زبردستی آپ کے پاس لایا ہے۔

سلطان میاں :۔ ڈاکٹر صاحب ان کی طبیعت ہمیشہ ہی بگڑتی جا رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے کوئی ذہنی پریشانی ان کو گھیرے ہوتے ہے۔ جو یہ کسی پر ظاہر نہیں کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب :۔ کیوں ارشد صاحب کیا بات ہے؟ ڈاکٹر سے کوئی راز پوشیدہ نہیں رکھنا چاہیے۔

سلطان میاں :۔ آپ ان سے کیا پوچھتے ہیں۔ مجھ سے پوچھئے کچھ دن ہوئے۔ روز چار بجے کے بعد ان کو تیز بخار آتا ہے اس کے بعد حلق خشک ہو جاتا ہے۔ سارا بدن کوئلے کی طرح دہکتا ہے اور بے چینی سے تڑپ کر رہ جاتے ہیں۔

ڈاکٹر گپتے نے ارشد کو لیبارٹری میں ساتھ لیا اور کچھ وقفے کے بعد واپس آ گئے۔

ڈاکٹر :۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ یہ بخار نہیں تھکاوٹ کی وجہ سے آتا ہے۔ کچھ دنوں کے لئے نہیں

مکمل آرام کی ضرورت ہے میری صلاح ہے کہ آپ ہسپتال میں
ڈاکٹر کمار سے ملیئے۔

سلطان میاں :۔ ڈاکٹر صاحب میں نے انہیں ہزار بار
سمجھایا۔ زیادہ کام مت کیا کرو۔ یہ ہیں کہ مشین کی طرح ۲۴
گھنٹے کام کرتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ ہی اپنی منمانی کیا کرتے ہیں
اور آج دیکھیئے جانت یہاں تک پہنچ گئی کہ اب ہسپتال میں
داخلہ لینا پڑا۔

ڈاکٹر:۔ ارشد صاحب آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے
آپ پڑھے لکھے ہیں۔ اور آپ کو سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

سلطان میاں :۔ ڈاکٹر صاحب کوئی خطرے کی
بات تو نہیں۔

ڈاکٹر:۔ میں نے کہا نا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں
دراصل کام کی زیادتی اور تھکاوٹ کی وجہ سے چھاتی پر تھوڑا
سا اثر پڑا ہے۔ جس کے لیئے سکرین کرنا ضروری ہے۔
اسی لیئے میں ارشد کو ڈاکٹر کمار کے ہاں بھیج رہا ہوں۔
x ray کرنے کے بعد ہی ہم کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

سلطان میاں : آپ ضرور ہم سے کچھ چھپا رہے
ہیں۔ ڈاکٹر تم اگر چاہو تو میں اپنی تمام زندگی تم پر قربان

کردوں۔ اپنے بچوں کو تمہارے صدقے کردوں۔ لیکن میرے مالک مجھ پیار کر۔

ڈاکٹر :- میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا۔ باقی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے ایک بار آپ لوگوں سے کہا کہ X.RAY کے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکوں۔

ارشد باہر چلا گیا۔ اور سلطان میاں ڈاکٹر کے پاؤں پکڑ کر رونے لگا۔

سلطان میاں :- ڈاکٹر صاحب ارشد میاں کو کیا ہوگیا ہے۔

ڈاکٹر :- بھیا میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ انہیں B.T کا اثر ہوا ہے اگر خاطر خواہ علاج اور مناسب غذا استعمال کیا جائے۔ تو یہ بہت جلد اچھے ہو سکے ہیں۔

ہسپتال میں ان کی اچھی طرح دیکھ بھال ہو سکتی ہے اس لیئے بہتر یہی ہوگا کہ تم کل صبح ارشد کو لے کر ڈاکٹر کمسار کے پاس چلے جاؤ۔

سلطان میاں ارشد کو ساتھ لے کر واپس گھر لوٹ آیا۔

ارشد :- سلطان میاں تم ڈاکٹر سے کیا باتیں کررہے تھے

سلطان میاں: کچھ نہیں۔ یوں ہی اُن کے پاس بیٹھا رہا۔

ارشد :۔ آج زندگی میں پہلی بار تم اپنے ارشد بیٹے سے کچھ چھپا رہے ہو؟

سلطان نے ارشد کے قدموں پر سر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

سلطان میاں میرے مالک تمھیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں بچانے کے لئے اپنے آپ کو اپنے بچوں کو یہاں تک کہ اپنی جوان بیٹی کو فروخت کرنے پر تیار ہوں۔ لیکن جب تک میرے جسم کے کسی بھی حصے میں جان باقی رہے گی۔ میں آپ کے اوپر آنچ نہیں آنے دوں گا۔

ارشد : زندگی اور موت قدرت کے ہاتھوں میں ہیں اگر میری زندگی کے دن پورے ہوئے ہونگے۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھ کو موت کے بے رحم ہاتھوں سے چھٹکارہ نہیں دلا سکتا۔

سلطان میاں :۔ میں موت کے بے رحم ہاتھوں سے تمھیں چھین کر حاصل کروں گا۔ بدلے میں مجھے اپنی ہی زندگی سے کیوں نہ ہاتھ دھونا پڑے۔

ارشد :۔ سلطان میاں موت کبھی پوچھ کر نہیں آتی۔ اور اگر میں مر بھی جاؤں تو کیا دنیا کا کاروبار بند ہو

جائے گا۔ میری موت کے بعد بھی پھر بہار یہاں آئے گی۔ پھول
سے مرجھائے ہوئے دل کھل اٹھیں گے۔ اور زمانے کے دستور
کے مطابق تم مجھ کو بھول جاؤ گے۔

سلطان میاں :۔ نہیں میرے خدا پر بھروسہ نہیں
مجھے پورا پورا یقین ہے جس طرح اس نے نوح کا سفینہ
طوفانوں میں بچایا۔ خلیل کو آگ کے شعلوں سے بچا کر
اپنی رحمت کے سائے میں پناہ دی اور اسی طرح وہ تمہیں
ضرور نئی زندگی دے گا۔ میں پہلے زیارت پر جانا نہیں
چاہتا تھا۔ لیکن اب دیار حبیب میں تمہیں پا کر واپس
لوٹوں گا۔

ارشد : اچھا تم جاؤ۔ اب میں سو جانا چاہتا ہوں۔
ہو سکتا ہے آج کی رات مجھے آرام ملے۔ کل سویرے ہم ڈاکٹر
سے ملنے ہسپتال چلے جائیں گے۔

ارشد سو گیا اور سلطان میاں رات بھر اس
کے سرہانے جاگتا رہا۔

# باب نمبر ۱

سورج مشرقی سرحدوں سے سر اٹھائے آہستہ آہستہ نکلنے لگا۔ رات بھر سلطان میاں نہ سو سکے۔ اسی لیے اس کی آنکھیں سوجی ہوئی اور چہرہ افسردہ دکھائی دے رہا تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر سلطان میاں ارشد کے کمرے میں داخل ہوا جو ابھی تک خوابوں کی دنیا میں محو تھا۔

اُسے کیسے معلوم تھا کہ آج کی رات اُس کے جھونپڑے میں ارشد کی آخری رات تھی۔ اُس ارشد کی رات تھی جب اسے لڑکپن میں وہ اسی جھونپڑی میں لا کر جھولیا کرتا تھا۔

آج

وہی ارشد اُسے اور اُس کے جھونپڑے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑنے والا تھا۔

"میرے مالک، آج تک میں نے تم سے کچھ نہیں مانگا۔ آج ارشد کی زندگی مجھے عطا کر بدلے میں میری زندگی لے لینا۔

اتنے میں ارشد کی نیند ٹوٹ گئی۔ اور بیدار ہو گیا۔ سلطان میاں کو ایسا لگ رہا تھا جیسے ارشد کے چہرے پر موت کے بھیانک سائے رقص کر رہے تھے وہ ارشد کو اپنے سینے سے لگا کر رونا چاہتا تھا۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔

ارشد۔ سلطان میاں تم ٹکٹکی باندھ کر میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو۔

سلطان میاں:۔ کچھ نہیں میرے آقا۔ میں آپ کے چہرے کی طرف اسلئے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ مجھے آپکا بچپن یاد آ رہا ہے۔

ارشد:۔ میں موت کی طرف جا رہا ہوں اور تم مجھے بچپن کی طرف لے رہے ہو۔

سلطان میاں ایسا لگتا ہے کہ میرے غم میں تم رات بھر سو نہیں سکے۔ اس لئے تمہاری آنکھیں، تمہارا چہرہ اور تمہاری حالت بگڑ گئی ہے۔

ارے بیوقوف تم موت سے ڈرتے ہو۔ میری باہیں تو موت سے لپٹنے کے لئے بیقرار ہیں۔ میں اب بہت دور جانا چاہتا ہوں۔ جہاں نہ دولت کی دیوار یں ہوں۔ اور نہ ہی خود غرضی

اور حرص پرست انسانوں کا راج ۔

سلطان میاں ! آپ کو تو ابھی سو برس تک جینا ہے ۔

ارشد :۔ مجھے جھوٹی تسلیاں مت دو ۔ میں جانتا ہوں کہ T. B کے مہلک مرض نے مجھے گھیر لیا ہے اور میں اب چند دنوں کا مہمان ہوں ۔

سلطان میاں :۔ اچھا جلدی کرو ۔ ہسپتال دیر ہو گئی ۔

ارشد غسل خانے میں چلا گیا اور کچھ ہی دیر بعد دونوں ہسپتال میں ڈاکٹر کمار سے باتیں کر رہے تھے ۔

سلطان میاں :۔ کل ہم ڈاکٹر گپتے کے پاس چلے گئے انہوں نے ہم کو آپ کے پاس بھیجا ہے ۔

ڈاکٹر کمار :۔ آپ کا نام مسٹر ارشد ہے اور آپ کو چار بجے بخار آتا ہے ۔ میں نے آپ کا کیس سٹڈی کیا اور میں اس نتیجے پر پہنچ گیا ہوں آپ کو کچھ دنوں کے لئے آرام کرنا ہوگا ۔

ارشد :۔ ڈاکٹر صاحب آپ کو یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوئیں ۔

ڈاکٹر کمار :- کل شام کو ڈاکٹر گپتے نے فون پر آپ
کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔
SISTER انہیں وارڈ نمبر 6 میں لے جاؤ۔
سامنے سے ایک نرس آئی۔ اور اُس نے ارشد کو اپنے ساتھ
لے لیا۔

ارشد کی زندگی بھی کتنی عجیب تھی۔ کبھی اُس کی زندگی
حویلی میں گذری اور کبھی جھونپڑی میں۔ اور آج ......
وہ ہسپتال میں مریض بن کر آیا۔

نرس :- دیکھئے بھلا صاحب یہ آپ کا بستر
ہے۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے اطلاع کیجئے گا۔
ارشد : بہت اچھا۔ بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں۔
نرس : جی فرمائیے کیا بات ہے؟
ارشد :- آپ کا نام کیا ہے؟
نرس : یہاں پر کسی کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ ہر ایک
کو آپ SISTER کہہ کر پکار سکتے ہو۔
ارشد : وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ کو SISTER ہی
کے نام سے ضرور پکارا جائے گا۔ لیکن بھلائی ہونے کے ناطے
تمہیں اپنا نام بتانا ہوگا۔

نرس: آپ نے مجھے سچ مچ اپنی بہن بنالیا۔

ارشد:۔ بالکل میں تمہیں اپنی چھوٹی بہن تصور کرتا ہوں۔

نرس: میرا نام جمیلہ ہے اور میں یہاں پچھلے تین سال سے مجبوراً
نوکری کر رہی ہوں۔ دنیا میں میرا اپنا کوئی نہیں۔

ارشد:۔ میں جو ہوں تمہارا بھائی۔

جمیلہ:۔ میرے والد ایک زمانے میں اسی ہسپتال میں ڈاکٹر
تھے لیکن اچانک ایک دن وہ ایک حادثے کا شکار ہو کر مجھے دنیا
کی ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ گئے۔

اس کے بعد مجھ پر کیا گذری کیسے بیان کروں۔

ارشد:۔ اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں سب کچھ سمجھ
گیا۔ تمہارے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

جمیلہ:۔ وہ کیسے۔۔"

ارشد:۔ ہم دونوں ایک ہی منزل کے دو مسافر ہیں۔ فرق
صرف اتنا ہے کہ تم زندگی کا مقابلہ کر رہی ہو۔ اور میں مرکر بھی پریشانیوں
سے دور نہ بھاگ سکوں گا۔

اس کے بعد جمیلہ کے اصرار پر ارشد نے اُسے اپنی زندگی
کی ادھوری کہانی سنائی جیسے سُنتے سُنتے جمیلہ کی آنکھوں سے
آنسوؤں کی برسات ہونے لگی۔

جمیلہ:۔ ارشد بھیا! تم انسان نہیں بلکہ فرشتے ہو۔

ہماری جگہ کوئی اور ہوتا۔ اس نے کب کی خودکشی کی ہوتی۔
ارشد:۔ آدمی کو ہر حال میں زندہ رہنا پڑتا ہے۔ میں نے بھی ہمیشہ زندگی کے زہریلے گھونٹ ہنس ہنس کر پیئے ہیں۔
میری چھوٹی گڑیا تم کو زندگی کی تیز ہواؤں کا مقابلہ کرنا ہے ایسا نہ ہو کہ تم زندگی کے آگے ظالم سماج کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہو جاؤ۔ تمہیں اپنی زندگی پھر سے شروع کرنی چاہیئے۔ تم کو چاہیئے کہ کسی شریف لڑکے کا ہاتھ تھام کر اسے شادی کر کے پھر سے نئی زندگی شروع کرنا۔

کچھ دیر بعد جمیلہ دوسرے وارڈ میں چلی گئی اور ارشد بستر پر دراز ہو گیا۔

اس کے سامنے آج اس کا بچپن انگڑائیاں لے رہا تھا۔ اس کی جوانی اس کے سامنے رقص کر رہی تھی اور اس کی موت اس کا انتظار کر رہی تھی۔

نہ جانے کیوں آج بار بار اسے ناہیدہ کی یاد ستا رہی تھی۔ اسے بچپن کی وہ شرارتیں یاد آنے لگی۔ جو وہ ناہیدہ کے ساتھ کیا کرتا تھا اچانک اس کے خیالوں کا سلسلہ اس وقت ٹوٹ گیا جب جمیلہ سلطان میاں کو لے کر وارڈ میں داخل ہوئی۔
ارشد:۔ سلطان میاں تم یہاں کیوں آئے ہو؟

سلطان میاں :۔ آپ کے بغیر اُس گھر کی دیواریں مجھ کو کھائے جارہی تھی ۔ ایسا محسوس ہونے لگا ۔ کہ میری روح وہاں پر بھٹک جائے گی ۔ اسی لئے آپ سے ملنے آیا ہوں ۔ یہ کہتے ہوئے سلطان میاں نے جیب سے ایک خط اور ایک لفافہ نکالا اور ارشد کو دینے لگا ۔

ارشد :۔ یہ کیا ہے ...؟

سلطان میاں :۔ ناہیدہ بٹیا کا نوکر یوسف میاں آپ کے لئے چھوڑ کر گیا ۔

ارشد نے لفافہ کھولا اور پڑھنے لگا ۔

کچھ ہی دیر کے بعد اُس نے وہ خط پڑھنا شروع کیا جو ناہیدہ نے اس کے لئے لکھا تھا ۔

پیارے ارشد !

میں پرسوں شام کو بمبئی سے واپس آئی ۔ یہاں پہنچتے ہی میں تم سے ملنا چاہتی تھی لیکن اسی رات ابا جان نے میری اور ہلروینڈ کی شادی کی تاریخ طے کرلی ۔ جس وجہ سے میں گھر سے باہر نہ نکل سکی ۔

تمہیں یہ جان کر بہت خوشی ہوگی کہ میں نے

تمہاری "آخری تمنا" پورا کرنے کے لئے پرویز کو اپنا شریک حیات تسلیم کرلیا۔ یہ سب میں تمہاری خاطر کررہی ہوں۔ اور مجھے یقین ہے میری اس قربانی پر تم ہمیشہ ناز کرتے رہو گے۔

ارشد یہ مانا کہ میں پرویز کی بیوی بن کر اس کی زندگی میں چلی جاؤں گی۔ لیکن میرے دل پر تمہارا نام ہمیشہ نقش رہے گا۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور ہمیشہ کرتی رہوں گی۔

مجھے امید ہے کہ تم میری شادی میں شرکت کرنے کے لئے ضرور آؤ گے۔

میں نے اپنی ٹریننگ مکمل کرلی ہے اور بہت جلد طبی ہسپتال میں معالج بن کر آنے والی ہوں۔ دعا کرو کہ میری ازدواجی زندگی سکون سے بسر ہو اور مجھے زندگی بھر تمہاری سیوا کرنے کا موقعہ ملے۔

تمہاری بدقسمت

ناہیدہ

خط پڑھنے کے بعد ارشد کا چہرہ مرجھانے لگا وہ پھر سے

بے چینی محسوس کرنے لگا. لیکن اُس نے خود پر قابو پایا اور خاموش رہا۔ کچھ دیر کے بعد وہ سلطان میاں کی طرف مخاطب ہوا۔

ارشد:۔ سلطان میاں میں نے تمہارے زیارت پر جانے کے تمام انتظامات پورے کئے ہیں۔ تمہیں پرسوں کے جہاز سے نکلنا ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ تم گھر جاکر اپنا سامان وغیرہ بند کرلو۔

جمیلہ:۔ ہاں سلطان میاں تم کو گھر جانا چاہیے تاکہ تم سفر کی پوری طرح تیاری کر سکو گے۔

سلطان میاں:۔ بہت بہتر حضور۔

سلطان میاں واپس چلا گیا اور جمیلہ دوسرے وارڈ میں مریضوں کو دیکھنے چلی گئی۔

ارشد آج بالکل اکیلا رہ گیا۔ وہ تنہائیوں کو سینے سے لگانے کا عادی تھا۔ لیکن آج اپنے اس کو اکیلے پن سے ڈر لگنے لگا۔ وہ بار بار ناہیدہ کے خط کو دیکھتا اور لمبی آہ بھرتا۔

اچانک اس کو تیز بخار آیا۔ سارا بدن جلنے لگا۔ وہ جمیلہ کو پکارنا چاہتا تھا۔ لیکن اُس کی آواز حلق میں ہی رہ گئی۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی چھاتی پھٹی جارہی ہے۔ اچانک جمیلہ واپس آئی۔ اور ارشد کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

جمیلہ:۔ ارشد بھیا تمہیں کیا ہوگیا؟
ارشد:۔ "جمیلہ ۔ ۔ ۔ ۔ میری ۔ ۔ ۔ ۔
چھاتی میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

جمیلہ دوڑتی ہوئی ڈاکٹر کمسار کے پاس چلی گئی۔
جمیلہ:۔ ڈاکٹر صاحب ارشد بھیا کی حالت بہت ہی سیریس دکھائی دے رہی ہے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ لیکن درد کی شدت سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔
ڈاکٹر صاحب جلدی چلیے ایسا نہ ہو کہ میرا بھائی مجھے چھوڑ کر چلا جائے۔
ڈاکٹر کمسار جمیلہ کے ساتھ وارڈ میں چلے گئے جہاں پر ارشد بستر پر بے ہوش پڑا تھا۔
ڈاکٹر:۔ SISTER جلدی سے ڈاکٹر ورما کو بلاؤ مریض کی حالت بہت ہی سیریس ہے۔
جمیلہ دوڑتی ہوئی ڈاکٹر ورما کے کمرے میں چلی گئی۔
جمیلہ:۔ ڈاکٹر صاحب خدا کے لئے جلدی کیجئے۔ ارشد بھیا کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی۔
ڈاکٹر ورما جلدی سے جمیلہ کے ساتھ وارڈ کی طرف چل پڑے۔

# باب نمبر ۸

آج کی رات کتنی حسین ہے ایک طرف شہنائیاں بج رہی ہیں۔ خوشیوں کے جام آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔ ناہیدہ کی مہندی رات ہے۔ وہ رات جب اس کے خوبصورت ہاتھوں میں مہندی لگائی جا رہی ہے۔ ایک طرف ناہیدہ کے گھر میں خوشی کے پھنوارے چھوٹ رہے ہیں۔ اور دوسری طرف سلطان میاں زیارت کو جانے کی تیاریوں میں لگا ہے۔

سلطان میاں اپنا سامان بند کر کے نماز پڑھنے لگے "میرے خدا میرے محسن کی جان بخش دیں۔ بدلے میں میری جان لے لیں۔ میں صرف اس کے لیے رب آپ کے حضور میں آ رہا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ میرا عمر و سر ختم ہو جائے۔ اور ارشد خدانخواستہ ہمیشہ کے لیے مجھ غریب سے بچھڑ کر چلا جائے۔"

نماز ادا کرنے کے بعد سلطان میاں ارشاد سے رخصت

لینے کی غرض سے ہسپتال کی طرف چل پڑا۔

ہسپتال پہنچنے پر اُس کی حالت عجیب ہو گئی۔ اس کا مالک تو زندگی کی آخری سانسیں گن رہا تھا۔ وہ ارشد کے سرہانے بیٹھ کر زار و قطار رونے لگا۔

سلطان میاں :- "جمیلہ بیٹی ارشد کو بچاؤ۔ ایسا نہ ہو کر وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلا جائے۔

جمیلہ :- سلطان میاں ارشد کی جان خطرے میں ہے۔ تمام ڈاکٹر جواب دے چکے ہیں۔

سلطان میاں :- نہیں ... نہیں ... ایسا نہیں ہو سکتا ... "

ارشد کبھی نہیں مر سکتا۔ ابھی اُس کی عمر ہی کیا ہے اگر ارشد کو کچھ ہو گیا۔ تو میں ساری دنیا کو آگ لگا دوں گا۔ سلطان میاں بے اختیار چلائے جا رہا تھا۔ اتنے میں ڈاکٹر ورما پھر وارڈ میں داخل ہوئے۔

ڈاکٹر ورما :- آپ لوگ اتنا شور کیوں مچاتے ہیں ایک تو مریض کی حالت تشویش ناک ہے۔ اور دوسری طرف آپ ہم کو پریشان کر رہے ہیں۔

سلطان میاں : ڈاکٹر صاحب ! خدا کے لیے ارشد کو

بچا ئیں۔ آپ کو نہیں معلوم اس بےچارے نے زندگی میں کبھی سکھ نہیں دیکھا۔

ڈاکٹر ورما:۔ ہمارے بس میں جو کچھ تھا۔ ہم نے وہ کر ڈالا۔ باقی اب بھگوان کے ہاتھ میں ہے۔

سلطان میاں:۔ تمہارا بھگوان اندھا ہے وہ صرف جان لینا جانتا ہے۔ وہ صرف غریبوں پر ظلم کرنا جانتا ہے اس نے غریبوں کی کبھی مدد نہیں کی آج اس سے کیا توقع رکھیں

اچانک ارشد کو ہوش آیا اور سلطان میاں اس کے پاؤں پکڑ کر رونے لگا۔

سلطان میاں:۔ مالک آپ کو یہ کیا ہوگیا آپ کی عمر ابھی مرنے کی نہیں۔ میں آپ کو ........ مرنے نہیں دوں گا۔

ارشد:۔ نادان رو تے کیوں ہو۔ تمہیں تو میری موت پر خوشی ہونا چاہیئے۔ آج مجھے مصیبتوں سے چھٹکارہ مل رہا ہے

سلطان میاں: تمہارے بغیر میں کیسے جیوں گا۔ کیا اس گھر کی دیواروں میں مجھے تمہاری آواز سنائی نہیں دے گی۔ شام کو میں کس کا انتظار کیا کروں گا۔

ارشد:۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے موت ایسے مرض

کی دوا ہے۔ جسے الجھن کہتے ہیں۔

دیکھنا ......... میں مر کر بھی مسکراؤں گا۔

سلطان میاں :- خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ - ورنہ میری چھاتی پھٹ جائے گی۔

ارشد :- آج مجھے اتنا بولنے دو کہ بولتے بولتے میری سانس رک جائے۔ میری نبض تھم جائے آج .............

میں اتنا بولوں گا کہ تم سنتے سنتے تھک جاؤ گے آج میں ......

آخری بار تم سے بول رہا ہوں۔ اگر میں آج بھی خاموش رہا تو میں ایسی گھٹن لے کر مر جاؤں گا کہ میری چھاتی پھٹ جائے گی۔

جمیلہ :- آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو...؟

ارشد :- جمیلہ سلطان میاں کو ناہیدہ کے ہاں بھیج دو۔ میں مرنے سے پہلے صرف ایک بار اسے ملنا چاہتا ہوں۔ صرف ایک بار..."

جمیلہ ناہیدہ کو بلانے کی غرض سے آفس میں ٹیلی فون

لانے چلی گئی۔

ارشد کے سامنے آج اس کا لڑکپن رقص کر رہا تھا
اُسے اب لگ رہا تھا۔ جیسے سمندر کے کنارے وہ
ناہیدہ کے ساتھ بیٹھا ریت کے گھروندے بنا رہا ہے
اور وہ چلا چلا کر اُسے آواز دے رہا ہے
ناہیدہ ...... چلی آؤ۔ دیکھو ......
میں نے تمہارے لئے کیسا سندر گھر بنایا۔

ارشد کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ
پوری طرح سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔

ڈاکٹر ورما :۔ جمیلہ جلدی سے آکسیجن لاؤ۔
جمیلہ :۔ دوڑتی ہوئی آکسیجن سلنڈر لانے چلی
گئی۔

ارشد :۔ سلطان .... میاں ناہیدہ نہیں
آئی۔ اُسے کہہ دو۔ اُس کا ارشد اُس کا ... انتظار
کر رہا .... ہے۔ ایسا نہ .... ہو کہ ....
میں مرنے سے .... پہلے .... اُسے مل ... نہ سکوں
ڈاکٹر نے آکسیجن سلنڈر فکس کیا۔ اتنے میں آہستہ
... آہستہ کسی کے قدموں کی آہٹ قریب آتی گئی اور

ارشد کا دل تیز تیز ہونے لگا۔

جوں جوں آہٹ نزدیک آتی گئی ارشد کی سانس تیز ہوتی گئی۔

جمیلہ :۔ ڈاکٹر صاحب ارشد کچھ کہنا چاہتا ہے خدارا۔ اسے آکسیجن نکال لیئے ایسا نہ ہو اُس کی آخری تمنا اسی کے ساتھ دفن ہو کر رہ جائے۔"

ڈاکٹر ورما نے آکسیجن نکالا ارشد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ چھانے لگی۔

ارشد :۔ ناہیدہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چلی آؤ میں ۔ ۔ چلا ۔ ۔ ۔ رہا ۔ ۔ ۔ ہوں ۔ ۔ ۔"

اتنے میں ناہیدہ دوڑی دوڑی وارڈ میں داخل ہو گیا۔

ناہیدہ : کیوں ڈاکٹر صاحب؟ کیا بات ہے؟ آپ نے مجھے کیوں بلوایا ہے۔

ڈاکٹر ورما :۔ ڈاکٹر ناہیدہ یہاں پر ایک سیریس پیشنٹ ہے جو مرنے سے پہلے آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

ناہیدہ :۔ کون ہے وہ ۔ ۔ ۔؟

ڈاکٹر :۔ بیڈ نمبر ۱۱ کا مریض

ناہیدہ بیڈ کے قریب چلی آئی ۔ جہاں پر ارشد

کی آخری سانسیں گن رہا تھا۔

ارشد :۔ ناہیدہ چلی آؤ۔۔۔ کیا تم آج بھی مجھ سے ناراض ہو۔

ناہیدہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اُسے یہ توقع نہ تھی وہ ارشد کو اس حال میں دیکھے گی۔ ابھی تو اس کے ہاتھوں کی مہندی بھی نہیں سوکھی تھی کہ خدا نے اس کے ساتھ ایسا بھیانک مذاق کیا۔

ناہیدہ ارشد کے سرہانے بیٹھ کر حسرت بھری نگاہوں سے ارشد کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ارشد :۔ ناہیدہ مجھے معاف کرنا۔ میں تمہارا ساتھ نہ دے سکا۔ ایک بار مجھے اپنی مہندی سے سجے ہاتھ دکھا دو۔

ناہیدہ نے اپنے ہاتھ ارشد کے قریب لائے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اچانک آسماں پر بجلی چمکی اور ناہیدہ کے مہندی سے سجے ہاتھ ارشد کے خون میں رنگ گئے۔

بستر پر ارشد کی لاش ظالم سماج سے

انصاف کی بھیک مانگ رہی تھی۔

ختم شد